مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

الاظہار

بسلسلۂ تبلیغ مسئلۂ خلافت

حضرت مولٰنا عبدالماجد صاحب قبلہ بدایونی ناظم انجمن علمائے صوبہ متحدہ
وصدر شعبہ تبلیغ خلافت کمیٹی صوبہ اگرہ کا معرکۃ الآرا

درس نمبر ۳

جس میں علما کا ہمیشہ سیاسیات میں عنصر متحرک ہونا، حکومت ہند کی اصلاح و رہنمائی، مظالم پنجاب کی تفصیل و تبصرہ، اور اسکے نتائج امسئلہ خلافت کی وسیع و قیع ابحاث تاریخ اسلام سے خلافت کے علمی و عملی دورے خلافت کا جمہوریت و بدویت کے شانوں میں رو نما ہونا، خلافت کے تعلقات، خلافت کی قسمیں، خلافت کی شرائط ولوازم، شرط قرشیت پر مفصل تبصرہ، ترکان آل عثمان کی خلافت اجماعی ہونا، خلافت اسلامیہ کے ساتھ حکومت برطانیہ کا رویہ، جنگ کے ابتداد دوران کے وعدے اور اختتام جنگ کا عمل شرائط صلح پر اظہار خیال مسلمانوں کو صلاح و سداد استقامت کا درس، اور حق و آزادی صداقت کا نشر و ابلاغ،

منشی مشتاق احمد صاحب ساکن شہر میرٹھ محلہ کوٹلہ نے
مطبع ہاشمی میرٹھ میں حافظ محمد سعید پروپرائٹر کے اہتمام سے چھپا

دوسری مرتبہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی حَبِیۡبِہٖ وَاٰلِہٖ وَمُطِیۡعِہٖ

اِس دَورِ غرائبِ مصائب میں اُمّتِ اسلامیہ اور عالمِ اسلامی پر جیسا کچھ ہجوم ابتلاو آزمایش ہے اسکے اظہار و بیان کی ضرورت و حاجت محض تحریر و تقریر کو پُرسوز و باگداز بنانے کے لئے قطعاً نہیں "نہ ہونا چاہیے" البتہ نشرِ درد و کرب سے اگر درسِ استقامت یا اعلائے حسّیات و احیائے جذبات مقصود اصلی بنایا جائے تو حیات کا مقصد عظیم ہے، اور ہونا چاہیے، اِس مقصد عظیم کو ملحوظ رکھکر ہر دل کو تڑپنے کے لئے ہر زبان کو بیتاب بنانے کے لئے ہر ہستی کو ہر امکانی قربانی پر مستعد ہو جانے کے لئے ہر وجود کو ہر آئینی جدّوجہد و ایمانی مصابرہ مجاہدہ کے لئے رخصت دیجائیگی۔ اور ہر جماعت ہر فرد جمہوری و انفرادی طور پر نفسی محاسبہ و قلبی و ایمانی علاقہ کے ساتھ مامور ہوگی کہ وہ کوشش کے مضبوط اسلحہ صداقت و خلوص کے ہاتھوں میں لیکر اُٹھے اور ایثار و صبر کے میدانوں میں خود کو پیش کردے محیطِ جود عالم فضا میں بلند آہنگیٔ خیالات کی گرج اور جذبات صادقہ کی کڑک اس طرح پھیلائی جائے کہ مطالبات واقعیہ و اقعات صحیحہ کا انتہائی اہتمام و ابلاغ کرکے حکومت کے پندارِ حکم کی بھی مصلح ہو اور نا عاقبت اندیش عمّال کے غلط رویّہ کی تنقید و تصحیح بھی ایک ایسی اصلاحی صورت سے ہو جو ملک و مملکت کو مفید اور جذبات حقّہ کے مناسب اقتدار ہو اور جس سے رعایا و حکومت

کے درمیان سے اختلاف و کشیدگی آئینی و سیاسی بھی دور ہو اور حق کی ترجمانی
من احکم الحاکمین خالق السموات والارضین کے فرمان واحکام کی
تعمیل کا حق بھی ادا کرنے پر آخرالامر مستعد بنا جائے۔ یہی وہ جذبات حقہ ہیں
جن کے نشر و تبلیغ کے لئے آج مجھسا گمنام شخص داعی بنتا ہے اور ایک وہ وجود
جواب تک خاموشی کے گوشہ میں کچھ تعلیمی مشاغل اور مذہبی درس و تدریس کے
معمولات کو لئے ہوئے زندگی بسر کرنا حاصل حیات و مقصد زندگی سمجھ رہا تھا
اس دعوتِ ضروریہ کے درس کا آغاز کرتا ہے۔ ظاہر نظر میں یہ انتہائی گویائی
اور حد درجہ کی جسارت نمائی کا کام اور اپنے فرائض منصبی سے بالا اہتمام کہا جائیگا
اور بہت کچھ زبانی و تخیلی چہ میگوئیاں مختلف عنوانات کے ساتھ ہونگی احباب
اخلاص مودت کے لب ولہجہ میں افہام و تفہیم فرمائینگے۔ اغیار و اجانب میں سے
بعض حق گوئی کو سختی سے تعبیر کرینگے بعض کو یہ مفید و مصلح مزاج شربت تلخ
و ناگوار ہوگا۔ بعض لومت لائم کا خوف دلائینگے۔ بعض کسی اور طریقہ سے
دھمکائینگے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے میرے مذہب و مسلک سے تعلیم ملی ہے کہ
عام افراد نوعِ انسان کی ہمدردی سے دریغ نہ کروں۔ اور ہر اُس موقع پر
جبکہ میرے مذہب و مسلک کا جذبۂ اظہار حق رفاہ عام و نفع انام کے لئے
مجھے پکارے یا کسی خدمت اسلام و اعانت اہلِ اسلام کے لئے مجھے دعوت
دے میں لَبَّیْکَ کہوں۔ ہمیشہ علما و مشائخ اسلام کا یہی تعامل رہا ہے
اور اس گروہ کے خصوصیات میں حق گوئی، صداقت بیانی، خدمت
خلق اللہ کا عنصر ممتاز شامل مانا گیا ہے بیشک اس گروہ کو بھی خوش قسمتی سے

وہ مطمئن زمانہ اور وہ باسکون و امن حالت اہل زمانہ بھی ملی ہے جسمیں یہ گروہ
"گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش"
کا عامل رہا ہے اور اس تعامل پر نظر کرتے کہا جا سکتا ہے کہ گروہ گوشہ نشینان کو
میدان سیاست سے کیا واسطہ، اور علمائے دورِ حاضر کو اپنے اسلاف کی ترک
پیروی کرکے اس دشوار گذار راہ پر قدم ڈالنے سے کیا علاقہ اس کے متعلق
مختصر گذارش قابل لحاظ و ضبط ہے۔
تاریخ بتاتی ہے اور احکام مذہب درس دیتے ہیں کہ علما و مشائخ ہی کا گروہ
اصلاً و اصولاً ارباب سیاست ہوا ہے اور ہونے کے لائق ہے۔ اور بیشک
بیشک علم و ریاضت نفس ہی وہ جوہر ہے جس سے رزم، و بزم، قلم، و سیف کا
نام چمکا ہے۔ بات فقط اتنی تدبر میں لانے کی ہے کہ علما کا منصب فرائض
مذہبیہ کا انجام دینا ہے اور مذہب ہی سیاسیات کا منبع ہے، اور مذہب ہی ایک
ایسا قانون ہے جو روحانی و جسمانی تعلقات و علائق کی حفاظت اور زندگی
کے ہر شعبہ اور مدنیت و معاشرت و تدبیرِ مملکت کے ہر حصّہ کی با امن و مستقل
نگہداشت رکھتا ہے معاملات عامّہ کی خلل و فساد سے حفاظت کرتا ہے اور
حقوق و ادائے حقوق میں شان امتیاز کے جداگانہ مراتب قائم کرکے ہر ایک
وجود کو اُسکے تشخّص و مرتبہ کے مناسب حال سرگرم عمل بنا دیتا ہے اور شعائر اللہ
و حُرمات الٰہیہ کی جلالت قلوب میں راسخ کرکے ہر ہستی کو ایک غیر متبدّل نظام و
ناقابل تغیّر ضوابط کا پابند بنائے رہتا ہے۔ پس جو زمانہ مذہبی حقوق، مذہبی
عزّت، مذہبی احکام کے وقار و بقائے تحفّظ کے لئے منجانب حکومت و حاکم

اطمینان بخش کہا جائیگا۔ گروہ علما بھی مطمئن وخاموش پایا جائیگا اور عملاً "گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش"

کا تصدیق کرنے والا دیکھا جائیگا اس لئے کہ اس گروہ کا مقصد حاصل ہے اور حق وصداقت، وقار احکام مذہب، اپنے مقام عزت وسکون پر ہیں۔ تاریخ میں طمانیت کے وقت کی وہ مثالیں جن سے گوشہ نشینی ارباب سیاست ظاہر ہوتی ہے۔ بہت ملتی ہیں۔ اور وہ بھی ایک مخصوص درس ہیں اور لائق پیروی اور عمل مگر ہر وقت ایک ہی حکم نہیں جاری ہوتا اور ہر دور ایک ہی سی حالت اور ضرورت نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر عہد و ہر سلطنت و ہر دور میں اطوار عمل کا مختلف ہونا فلسفہ نظام عالم کا اہم مسئلہ ہے جسکی حقیت وحقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہی اختلاف اطوار عمل ہے جو کبھی گوشہ نشینی کو میدان سیاست سے بدل دیتا ہے اور کبھی بطل سیاسیات کو گوشہ گزیں بنا دیتا ہے۔ فضل ابن ربیع (متوفی ۲۰۸ھ ۸۲۳ء) جو عہد وزارت برامکہ میں حاجب کے عہدہ پر فائز تھا اور پھر ہاروں رشید کا وزیر بھی ہو گیا تھا۔ ہاروں رشید کے مشورہ وحکم سے صاحب محمل (قافلہ سالار) بنکر بغداد سے موسم حج میں حرمین جاتا ہے۔ اور حج سے واپسی پر تمام تعلقات دربار وسلطنت چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاتا ہے اور ہر چند کہ خلیفہ چاہتا ہے مگر فضل گوشہ نشینی سے ایوان وزارت کی طرف حرکت نہیں کرتا یہانتک کہ ایک دن خود خلیفہ قصر شاہی سے فضل کے گوشہ تنہائی کی طرف عازم ہوتا نظر آتا ہے۔ خلیفہ اور فضل میں بعد سلام سنت اسلام یوں گفتگو شروع ہوتی ہے۔

خلیفہ۔ فضل تم نے وزارت کیوں ترک کر دی۔ فضل۔ امن وسکون نے مجھے

گوشہ نشین کردیا۔خلیفہ۔اب کیسے گذرتی ہے؟ فضل۔ بہ نسبت پہلے کے اب اچھا ہوں۔نفس کو تیار کررہا ہوں کہ سابق خدمات سے اہم و اشد خدمات دے سکے، پہلے میری دس خدمتوں کا اجر ایک ملتا تھا اور اب ایک خدمت پر دس اجر دینے والے کا خدمتی ہوں مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا پہلے دربار خلافت میں عرض معروض کے لئے موقع محل درستی مزاج و خوشنودی طبع خلیفہ کے لئے متردد رہنا ہوتا تھا اور آج جو میرے دل میں ہے وہ خود جانتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ پہلے جب میں حاجب تھا تو خلیفہ و شاہ کے سوتے وقت مجھے جاگنا پڑتا تھا اور اب میں بے خبر سوتا ہوں اور میری حفاظت کی جاتی ہے۔لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ میرا رزق خلیفہ کے ہاتھ میں ہے اور اب معلوم ہوا کہ میرا اور خلیفہ دونوں کا رزق سب سے بڑے بادشاہ کے قبضہ قدرت میں ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ یہ تقریر سنکر خلیفہ رونے لگا اور بولا فضل تو وزارت میں بھی مصلح خلق تھا قائدِ سلطنت تھا اور گوشہ نشینی میں بھی بہتر معلّم و مصلح ہے۔

فضل نے کہا وزارت بھی درستیِ احوال خالق کے لئے تھی گوشہ نشینی میں بھی یہی فکر ہے مگر طورِ عمل جداگانہ ہے۔خلیفہ نے کہا پہلے تو میرا خدمتگار تھا اور اب میرا مربّی و بھائی ہے۔فضل نے کہا خدا کا شکر ہے کہ آج وہ عزّت ملی جو تمام عمر کی نوکری میں نہ ملتی۔

اگرچہ یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ اسلاف کی گوشہ نشینی سے بھی ایک درس عمل ملتا تھا جہاں سلاطین و ملوک خود حاضر ہوکر سبق آموز ہوتے تھے۔لیکن ہم ایسے تاریخی واقعات

بھی پاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علما نظام سیاسیات ملکی کی صلاح وتدبیر
میں اپنے مذہبی منصب کے اقتدار کے ساتھ اظہارِ حق اور نفع انام کے لئے کیسی کچھ
مجاہدانہ وسرفروشانہ کوششیں کیا کرتے تھے اور ظلم وجبر کے عہد میں کس درجہ
صداقت وراست گوئی سے کام لیتے تھے اور کیسے کیسے اہم امور کا انصرام علما
کی ذات سے وابستہ ہوتا تھا اور وہ کیسی کیسی سختیاں جھیل کر مصیبتیں اُٹھا کر بھی
دربار وبازار ومیدان کارزار میں خدمت خلق الٰہی اور حق کی ترجمانی سے دریغ
نہ کرتے تھے۔ اور اسکو اپنا فرض مذہبی سمجھکر عمل میں لاتے تھے۔

عمر بن ہبیرہ والی عراق وخراسان جب خلیفہ دمشق یزید بن عبدالملک کی
طرف سے مقرر ہو کر آیا تو اُس نے اکابر عراق حضرت حسن بصری علامہ ابن سیرین
امام شعبی کو بُلایا اور کہا۔ یزید بن عبدالملک کو خدا نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر
کیا اور اسکی اطاعت کو لازم کیا اور میں اس کا نائب اور تعمیل احکام کرنے والا
اور اسکے ہر فرمان کا ناشر اور اُسپر مخلوق کو مجبور کرنے والا ہوں عام اس سے
کہ وہ فرمان کسی کو ناپسند ہو۔ حضرت حسن بصری نے اس پولیٹیکل گفتگو کا جواب
جیسے صاف اور سچے جملوں میں دیا وہ ملاحظہ ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن ہبیرہ
یزید کے معاملہ میں خدا سے خوف کر اور خدا کے معاملہ میں ایک یزید حاکم دمشق
نہیں بلکہ دنیا جہان کے کسی بادشاہ سے نہ خائف ہو۔ خدا تجھ سے یزید کا شر
دفع کر سکتا ہے۔ مگر خدا کا قہر عالم کے سلاطین ملکر دفع نہیں کر سکتے۔ وہ وقت
بھی آنے والا ہے جب خدا کا ایک فرشتہ تجھے امارت کی مسند وکرسی سے
کھینچکر قبر کے تاریک گڈھے میں پہونچاوے گا وہاں نہ خلیفہ تیرے کام آئیگا

نہ تیری ریاست، اگر نیک اعمال کا ذخیرہ ہوگا تو آرام ملے گا ورنہ تکلیف پائے گا۔
اے ابن ہبیرہ! خلیفہ کو خدا نے اپنے دین کا اور اپنے بندوں کا محافظ وناصر
مقرر کیا ہے۔ پس خدا کے دین اور آئین کے خلاف کی جرأت نہ کر اگر تجھکو خلیفہ
کوئی حکم ایسا دے جو حکم خداوندی کے خلاف ہو تو مخلوق کی اطاعت خالق
کے مقابلہ میں نکر کہ اس سے بڑھکر سیاست بندگی کا کوئی گناہ نہیں۔
حضرت سعید ابن المسیب مالعی کا حال ابن السّائب بیان کرتے ہیں کہ وہ
دولت بنی مروان کے بعض ظالم سلاطین کی تشہیر ظلم ہر مجمع اور بازار میں علی الاعلان
کیا کرتے تھے۔ ابن السائب کہتے ہیں ایک دن میں اور حضرت سعید بازار میں
بیٹھے تھے کہ خلیفہ کا برید (قاصد) وہاں سے گذرا حضرت سعید نے اس سے
پوچھا کہ "تم دولت بنی مروان کے برید ہو؟ اُس نے کہا جی ہاں، آپنے فرمایا
انکو کس حال میں چھوڑا؟ اُس نے کہا بخیریت وعافیت، آپ نے فرمایا۔
ظالم کے لئے خیریت وعافیت کہاں ہے؟ وہ آدمیوں کو بھوکا مارتے ہیں اور
کتّوں کا پیٹ بھرتے ہیں مخلوق خدا پر ظلم کرتے ہیں اور خالق کے قہر سے
بے خبر ہیں۔ پریشان کن قوانین اور خلاف آئین خداوندی احکام نکالتے ہیں۔
اور ملک کی اصلی خوشحالی اور اہلِ مملکت کی سچّی فارغ البالی کو برباد کرتے ہیں جس سے
وہ عنقریب خود تباہ ہونے والے ہیں اور عظیم شر میں مُبتلا کئے جانے والے ہیں کہ یہ
سنّت الٰہی ہے۔ اے برید جب تو اُن سے ملے تو یہ میرا پیام کہہ دینا۔ شاہی
قاصد یہ سنکر آگ بگولا ہوگیا۔ اُسکی آنکھوں سے غضب کے شعلے نکلنے لگے اور قہر کی
نگاہیں آتش ستم کی چنگاریاں برسانے لگیں" ابن السّائب کہتے ہیں کہ میں یہ

رنگ دیکھکر کھڑا ہو گیا اور مجھپر وحشت طاری ہو گئی مگر میں نے دیکھا حضرت سعید اسی وقار و طمانیت سے بیٹھے ہیں اور قاصد کو تاکید کر رہے ہیں کہ یہ میرا پیام نصیحت و اصلاح شاہ تک ضرور پہونچا دینا۔ آخر قوت حق گوئی سے بَرید بھی مبہوت و مرعوب ہو کر چلا گیا اور ابن السّائب نے حضرت سعید سے کہا "خدا تمکو نیکی دے کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔" انہوں نے فرمایا "یہ میرا فرض منصبی ہے جسکو ادا کرتا ہوں۔ اور جب تک حق و خلوص پر میں قائم ہوں مجھے یقین ہے کہ میں غالب رہوں گا۔ اور ایک دن مخلوق کی اصلاح اور مملکت کی فلاح کر سکوں گا۔"

خلیفہ ابو جعفر منصور نے ایک دن امام مالک اور ابن طاؤس کو بلوایا اور فرمائش کی کہ اے ابن طاؤس اپنے والد سے کوئی حدیث روایت کرو ابن طاؤس کو موقع مل گیا کہ وہ خلیفہ کی بے اعتدالیوں اور سختیوں کا بیان کر کے اسکو ذہن سلامت روی دیں۔ انہوں نے فوراً یہ حدیث منتخب کر کے سُنائی حدثنا اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عذاباً یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ رجل اشرکہ اللہ فی سلطانہ فادخل علیہ الجور یعنی میرے والد نے روایت کی کہ قیامت کے دن سب سے بڑھکر عذاب اسکو ہوگا جو بادشاہت میں ظلم کرے۔ ابن مالک کا بیان ہے کہ مجھکو ابن طاؤس کے قتل کا یقین ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ خلیفہ ساکت اور غصہ میں بھرا ہوا ہے تھوڑے وقفہ کے بعد خلیفہ نے پھر اپنے متعلق سوال کیا اور ابن طاؤس نے اس کا جواب بھی نہایت وقار و طمانیت سے دیتے ہوئے خلیفہ کے مظالم و معائب کا ضمنی تذکرہ کر دیا۔ اب خلیفہ کی بھڑک کی انتہا نہ تھی

وہ غیظ و غضب میں چلّایا قُومَا عَنِّیْ "تم دونوں چلے جاؤ" ابن طاؤس نے بھی بلند آواز سے جواب دیا مَا کُنَّا نَبْغِیْ "یہی ہم بھی چاہتے ہیں" امام مالک فرماتے ہیں اس حق گوئی نے میرے قلب میں ایک خاص عظمت اس طاؤس کی پیدا کردی۔

خدیو مصر ابن سہیل، امام یزید ابن حبیب تابعی کی عیادت کو حاضر آتا ہے۔ اثنائے گفتگو میں وہ مسئلہ پوچھتا ہے کہ مچھّر کا خون اگر کپڑے پر لگ جائے اور زائد پھیلا ہو تو اُس کپڑے سے نماز ہوگی یا نہیں؟ امام یہ سوال سُنکر مُنہ پھیر لیتے ہیں والئے مصر مکرّر سوال کرتا ہے تو آپ غصّہ سے فرماتے ہیں "روزانہ خدا کے بندوں کا خون اپنی فرضی سیاست وظالمانہ حکمرانی سے بہاتا ہے اور مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھتا ہے۔

حضرت سعید ابن جبیر مظالم حجاج سے تنگ تھے اور برابر سفر کر کے اسکے ظلم و ستم سے لوگوں کو آگاہ کرتے پھرتے تھے والی مکّہ نے ایک موقع پا کر انکو لیجا کر حجاج کے پاس بھیجدیا۔ حجّاج کی تیغِ جفا کو یہ ایک بڑا ذبیحہ ملا اور اسکی ظلم پرور طبیعت کو ایک خاصہ موقع ستم رانی کا ہاتھ آیا۔ پہلے اُس نے آپ سے تمسخر و مذاق شروع کیا اسکے بعد آپ کا نام پوچھا۔ آپنے فرمایا مجھے سعید ابن جبیر کہتے ہیں۔

حجّاج نے طیش میں بھر کر کہا انت شقی ابن کُسَیر۔

حضرت سعید۔ میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی ہے۔

حجّاج۔ برافروختہ ہو کر شقیت امّك وشقیت انت تیری ماں بھی بدبخت اور تو بھی۔

حضرت سعید۔ غیب کا جاننے والا تو نہیں دوسرا ہے۔

حجّاج - دیکھو میں تمکو شعلہ بار آگ میں پھینکتا ہوں۔

حضرت سعید - اگر میں یہ جانتا کہ اس میں تیرا اختیار ہے تو میں تجھکو اپنا معبود بنا لیتا۔ اِسکے بعد حجّاج نے کچھ مذہبی سوالات سیاسی پہلو کے ساتھ شروع کئے اور آپکے قتل کا موقع نکالنا چاہا۔ مگر ہر کوشش میں ناکام رہا۔ اور حضرت سعید برابر نہایت آزادی و حق گوئی سے ہر جواب دیتے رہے آخر اُس نے کھسیا کر کہا۔

حجّاج - اختر یا سعید ای قتلہ اقتلک اے سعید بتاؤ تمکو کس طرح قتل کروں؟

حضرت سعید - اختر یا حجّاج لنفسک فواللہ لا تقتلنی قتلہ الا قتلک اللہ مثلھا اے حجّاج تو خود ہی پسند کر لے قسم خدا کی تو مجھکو جسطرح قتل کرے گا اسی طرح خدا تجھکو قتل کرے گا۔

حجّاج - مرعوب ہو کر میں معاف کر دوں۔

حضرت سعید - عفو خدا کی طرف سے ہے تو بری کر سکتا ہے نہ قتل۔

اب حجّاج کا جور و ظلم ناقابل ضبط تھا اُس نے فوراً جلّاد کو بلا کر قتل کا حکم دیا اور حضرت سعید قصر امارت سے قتل گاہ کی طرف کھینچے گئے آپ باہر نکل کر ہنسے حجاج کو اُس وقت کی ہنسی کی خبر ہوئی تو اُس نے پھر بلایا اور پوچھا تعجب ہے قتل کے وقت تم ہنستے ہو۔ آخر ہنسی کی وجہ کیا ہے؟

حضرت سعید - عجبت من جراتک علی اللہ وحلم اللہ علیک مجھکو خدا کے مقابلہ میں تیری جرأت پر اور تیری نسبت خدا کے حلم پر تعجب ہوا

حجّاج - پھر ڈپٹ کر جلّادوں سے "میرے سامنے گردن مارو"۔

حضرت سعید۔ قبلہ رو ہو کر وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

حجاج۔ ان کا رُخ قبلہ سے پھیر دو۔

حضرت سعید۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جدھر رُخ کرو اُسی طرف قدرت ہے

حجاج۔ الٹا ڈال دو۔

حضرت سعید۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

ہم نے زمین سے ہی پیدا کیا اور اسمیں لوٹائیں گے اور اسی سے پھر نکالینگے۔

حجاج نے اشارہ کیا۔ جلاد نے تلوار کھینچی۔ ہاتھ تولا۔ سینہ تانکر پینترا بدلا۔ تلوار کو پھر جنبش دی اور چاہتا تھا کہ بھرپور وار کرے۔

حضرت سعید۔ جلاد سے۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ او اے جلاد تو اور تیرا امیر اور تمام اہل دربار شاہد ہو جائیں کہ سعید دنیا سے خدا کی توحید کا اقرار کرتا نبی اکرم کی رسالت کی تصدیق دیتا جاتا ہے اور تم سب کے سامنے آخری حق نصیحت ادا کرتا رخصت ہوتا ہے۔ ہاں اے جلاد تو اپنا کام کر۔ مجھے جو کہنا تھا کہہ چکا اور اب جو کچھ کہنا ہے وہ اس ظالم کے سامنے نہیں بلکہ بطش شدید والے منتقم حقیقی کے روبرو ان مثالوں پر غور کرنے والا اس نتیجہ پر بخوبی پہنچ جائیگا۔ کہ اظہار حق گوئی و صداقت استفلاح مخلوق و اماتت ظلم و تعدی و تدبیر و اصلاح مملکت کے لئے علماء سابقین نے کیا کچھ کیا اور ہمیشہ اُن کا کیا شعار رہا۔ اور ان کے اُس شعار کی خلق خدا کو کسقدر ضرورت اور نظم سلطنت کو نشان رحمت و آثار عافیت و تربیت بنانے کی کس درجہ حاجت تھی۔ اہل علم و صاحب

قوّتِ روحانیہ کا مسلک چونکہ حکم مذہب امر خداوند کے ماتحت رہنا ہوتا ہے۔ لہذا
وہ اُس وقت جبکہ دنیا میں غارتگری و ظلم پھیلے قوم کے اخلاق بگڑیں اور شاہ کی
نیت فساد پذیر ہو۔ شیرازہ سلطنت ہتک قوانین الٰہیہ سے پراگندہ ہوکر امن عام
میں خلل ڈالنے والا ہو۔ سیاست مذہبیہ کے جذبۂ صداقت و حُریت کو عمل میں
لانے پر مجبور ہوتے ہیں اور ایسے وقت اُن کو برستے ہوئے تیر، کھنچی ہوئی تلواریں،
اُٹھے ہوئے بھالے، گرجتی ہوئی توپیں اُن کے عزائم عالیہ سے باز نہیں رکھ سکتے
وہ دیکھتے ہیں کہ سر کٹنے کا سامان سامنے ہے، زبان گُدّی سے کھینچی جانے والی ہے
سینہ تیروں سے چھلنی اور پہلو بھالوں سے برمایا جانے والا ہے، مگر صداقت کی
روحانیت سب سے روگرداں کر کے صرف ایک حق پرستی اور صداقت شعاری کی طرف
متوجہ کر دیتی ہے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وقائع زندگی و سیرت
ابلاغ صداقت و حقانیت کا جس نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ خوب واقف ہے
کہ قیصر و کسریٰ۔ فراعنہ مصر و والیانِ حبشہ کے باسطوت درباروں میں ان حضرات
نے کس کس طریقہ سے اظہار حق کی جراتوں سے کام لیا ہے اور مظالم کے انسداد
کے لئے کیسے کیسے ظالموں کے مُنہ پر ان کے حالات جور و تعدّی کو رکھدیا ہے۔
اور اس تعامل صحیح نے کتنے واضح طرز سے عالم کو باور کرا دیا ہے کہ صرف پیشوایان
مذہب ہی کی وہ جماعت ہے جسکے بغیر مطمئن و با امن نہج سے قوانین و آئین
سلطنت نفاذ پذیر ہو ہی نہیں سکتے۔ دُنیا کے بڑے بڑے ظاہر و باطن کے
سلاطین کے تعامل سے فتویٰ لیجئے۔ تو یہی جواب ملیگا کہ سلطنت ظاہری و
باطنی بغیر قوتِ علم و مذہب روحانیت سلطنت ہی نہیں ٹھہرتی۔ یہی وجہ تھی

کہ ہمارے حضور اقدس نبی عالم ودّیان عرب وعجم نے اپنی وزارت کے لئے وہ ارکان وافراد منتخب کئے جن میں قوت علم وروحانیت باعتبار دیگر ارکان زائد تھی اور اسی حکمت سے وزارت عظمیٰ کا منصب ابتدائے اسلام سے حضرت ابوبکر کو مفوّض ہوا۔

یونہی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے وزیر آصف برخیا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے وزیر ہارون اور حضرت عیسیٰ کے جناب شمعون اپنے انتخاب سے ظاہر کرتے ہیں کہ سلطنت وامامت کے لئے کیسے مشیر ہوتے ہیں اور نظام سلطنت کے فروغ وبقا کے لئے کس قوت علیہ کی ضرورت ہے اگر زائد نظر وسیع کر کے اس مضمون کو عمومی رنگ میں دیکھا جائے تو کیخسرو کا وزیر گودرز، منوچہر کا سام، اور گشتاسپ کا جاماسپ، اور نوشیرواں کا بزرجمہر، ہاروں رشید وغیرہ کے وزرا برامکہ یحییٰ فضل، جعفر وغیرہ، سلطان محمود کا شمس الکفاۃ فخر الدولہ، ویلمی کا اسمعیل، سلطان طغرل سلجوقی کا ابونصر کندری یہ تمام انتخابات اپنے مقام پر ہمارے موضوع ومدعا کے برہان ہونگے۔ اسکے علاوہ اہل علم وفضل کے دیگر انتخابات ومراتب خدمات جو سلطنت کے ہر صیغہ میں دخیلکار ہوتے تھے۔ قدیم القاب وخطابات مجد الدین، شرف الاسلام، سیف السنۃ، زین الشریعۃ، فخر العلماء سے ظاہر ہیں۔ غرضیکہ سلطنت کے مہمّات خاصّہ اور خدمات رزمیہ ومالیہ میں عنصر علم تقدس مذہب کے جوہر کا شمول عقلاً اور تعاملاً اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں رہا ہے اور ہر مذہب کی سلطنت نے اسکو تسلیم کیا ہے کہ پیشوایان مذہب کی طاقت سلطنت کی قوت کا دعامتہ ہے۔

تاریخی دنیا باخبر ہے کہ حضرت سلطان صلاح الدین غازی ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے

مقابلہ میں جو ٹڈی دل لشکر عیسائیوں کی مجموعی واتحادی طاقتوں کا ارض مقدس کے قریب مجنونانہ جوش تعصّب میں صلیب کے وعظ سُن سُنکر خیمہ زن ہوا تھا وہ سب مذہبی پیشواؤں کی سیاست مذہبیہ کا اثر تھا اسی طرح سلطان غازی ایوّبی رحمۃ اللہ علیہ کے اوّلین مددگار گوشہ نشین علماء ہی تھے جو فوج میں حق کی حمایت اور مذہب کی حرمت کے لئے معمولی سپاہی کی طرح داخل ہونا اپنا فرض مذہبی سمجھتے تھے۔ یہاں ایک خاص گذارش کردینی ضروری ہے وہ یہ کہ پیشوایانِ مذہب جب تک مذہب کی حرمت کو خطرہ میں نہیں پاتے ہیں اُن کے افراد گوشہ نشین وخلوت گزین ہی رہتے ہیں اور کسی سیاست مالی واقتصادی سے خاص تعلق نہیں رکھتے ہیں اور نہ ملک گیری کی جنگ سے اُنکو کوئی علاقہ ہوتا ہے۔ البتہ جب یہی حالتیں بڑھکر مذہبی وقار دینی جذبات سے متصادم ہونے لگتی ہیں اور ایسا وقت آجاتا ہے جسکی اصلاح ودرستی پر وہ من اللہ مامور ہیں تو جیسا کہ گذشتہ مثالوں سے ظاہر کیا گیا پھر کوئی قوّت انکو زبانی، قدمی، مالی، جانی اعانت وحمایت سے نہیں روک سکتی اب نہایت آزادی کے ساتھ یہ لکھا جاسکتا ہے جسپر ہر سمجھدار، منصف مزاج تدبّر فرمائے کہ اس پُرآشوب زمانہ میں علماء سلف اور گوشہ نشینانِ متقدّمین ہوتے تو کیا طرز عمل اختیار کرتے؟ کیا حالات اس حد کو نہیں پہنچ گئے ہیں جو بلاخوف تردید یہ کہہ دیا جائے کہ متقدّمین علماء اگر اس دور مصائب کو پاتے تو یقیناً یقیناً گوشہ نشینی کو سیاست مذہبیہ کے وسیع میدانوں سے بدل لیتے اور مرتاضانہ خموشی کو اظہار حق کے مسلسل و بلند نعرہ سے ہم نوا کرتے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مقدس وجود، اور باخلوص

و صداقت نفوس اس دور حاضر میں سیاست کے آخر مقام کارزار تک قدم بڑھاتے نظر آتے۔

کہا جاتا ہے "تاریخ اپنے آپکو دُہراتی ہے"۔ پس اس وقت سیاست حاضرہ میں علماء کا مذہبی منصب سے حصّہ لینا ان کا اپنے فرائض وضروری ولازمی خدمات کی طرف متوجہ ہونا اور اس وقت تک جو علماء گوشہ نشینی میں تو پیروی اسلاف کرتے رہے مگر اسلاف کی حق گوئی اور حمایتِ صداقت و اعلائے جذباتِ حُریّت سے درس آموز نہ ہوئے اسی کا خمیازہ مختلف حوادث و مصائب کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ علماء کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ دور مطمئن میں گدائے گوشہ نشین یا ایام مصائب میں سیاسی جنگجو بنکر رونما ہوں بلکہ ہر دور میں خدا کے بندوں کی رہنمائی اور مخلوق کی بہی خواہی و استفلاح کا اہم کام بھی ان کے سپرد ہے اور خطرات مہالک سے عوام و انام کو مطلع کر دینا بھی اُن کا فرض منصبی ہے اور عمّال و حکّام کو درس نصیحت دیتے رہنا بھی ان کا باوقار حق ہے۔

یہ تحریر بھی انہیں مضامین کا ابلاغ و اتمام کریگی۔ حالات حاضرہ و وقائع دائرہ پر نظر کرتے ہوئے اور آنے والے خطرات و شدائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے رعایا و حکّام کو تفصیل واقعات کے ضمن میں دو درس دئے جائینگے۔

امر نصیحت و اظہار حق کے لئے پہلے درس میں ذمہ دار حکّام و نائبین سلطنت کی طرف التفات ہوگا اور دوسرے درس میں ابنائے ملک و ملّت کی فلاح خواہی پر ارادۂ سخن کیا جائے گا ✤

پہلا درس

نصیحت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جسکی اصلاح مقصود ہو۔ اسکے اعمال و کارنامے اُسکے سامنے کر دئے جائیں اور ظاہر کر دیا جائے کہ دنیا ان کاموں کو کیسا سمجھتی ہے اور کتنے کام اچّھے شمار کئے جاتے ہیں اور کسقدر بُرے سمجھے جاتے ہیں۔

یہ ہماری مذہبی تعلیم متعلق نصیحت و فلاح خواہی ہے جس سے ہر انسان اپنی اچّھی یا بُری طرح یاد رہنے والی زندگی کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ اسکے بعد ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ حق نصیحت کو تمام و کمال تک پُہنچانے کے لئے کچھ وہ امور بھی پیش نظر کر دئے جائیں جو کمزوریوں اور غلطیوں کی تلافی کرنے والے ہوں اس وقت ہندوستان کی بڑھی ہوئی شورش اور محیط بے چینی و تکلیف پر نظر کرتے ہوئے نائب سلطنت، وائسرائے ہند، بالقابہ کے عہد پر پہلے تبصرہ و تنقید کی جا سکتی ہے اور اسکے لئے میں جو کچھ ضبط تحریر میں لاؤں گا وہ تنہا میری ذاتی رائے نہو گی بلکہ معاملہ فہم دُنیا کی آراء کا خلاصہ و مجموعہ ہو گا۔ اس تبصرہ کو میں دو حصّوں پر تقسیم کر کے پیش کروں گا۔

نمبر ا۔ وہ شدائد جسمیں دیگر عمّال و حکّام کے ساتھ وہ شریک ہیں۔

نمبر ۲۔ وہ امور جنکی ذمّہ داری تنہا اُنکی ذلت پر ہے۔

نمبر اوّل میں زمانہ جنگ کے بعض ضمنی واقعات کی طرف اشارہ ضروری ہے، ہندوستان کی کم مایہ عام رعایا اور سادہ دل والیانِ ملک نے کافی سے زائد جنگ کی اعانت میں حصّہ لیا اور آخر وقت تک اپنے مفرط جذبہ سے شرکتِ جنگ کو ملکی فرض کے تخیّل میں ہر طرح گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی مگر اس میں بھی بجائے رضا و رغبت کے

منجانب عمّال زبردستی و تعدّی سے کام لیا گیا۔ بھرتی میں ناگوار سختیاں کی گئیں۔ اور ذمہ دارانِ حکومت نے صدائے تحکم بلند کی۔ "سپاہی خوشی سے ملیں تو اچھا ہے ورنہ قانونی سختی سے حاصل کئے جائیں"

بعض مقامات پر بھرتی کا نیا طریقہ اختیار کیا گیا جسکو کوٹہ مسٹو کہا جاتا ہے اسکی رو سے ہر گانوں کی مرد آبادی کا ایک نقشہ بنایا جاتا ہے اور گانوں کو ایک معیّن وقت تک تعداد معیّن فراہم کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے بد قسمتی سے اگر گانوں والے مدّت معیّنہ میں تعداد مطلوبہ نہ دیسکتے تو نہایت جابرانہ اور غیر قانونی کارروائی کی جاتی بلکہ بعض اوقات کل گانوں کو سزا دیجاتی۔ اور بعض افراد کے ساتھ خصوصی بے عزتی کا برتاوا ہوتا۔ بھرتی کی سختیوں میں قانونِ فوجداری کا اکثر جگہ ناجائز استعمال اور بیگناہوں کے محلکے جو بھرتی ہونے یا بھرتی کرنے والا ہو جانے کے لئے عمل میں آئے یا دیگر واقعات کی رو سے جو سزائیں دی گئیں حالانکہ سیاست ملکی و آئین معاہداتِ ہندوستان کی رو سے ہندوستانیوں کو ہند سے باہر قتال و دفاع کے لئے لیجانا اور بھیجنا ہی خلافِ اصول زیادتی اور تعدّی تھی اور ہے۔

قرضہ

بعض صوبوں میں قرضہ نہ دینے والوں کی آمدنی پر ٹیکس کا اضافہ۔ عذرداریوں کا خارج کر دینا۔ حکّام کی بے التفاتیوں کا حد توہین تک پہونچ جانا۔ جائز خواہشات و توقعات کا یہ کہکر رد کر دینا کہ تم نے قرضہ دینے میں تساہل کیا یا کم دیا۔ انصاف سیاست و معدلتِ مملکت کی رو سے جنگ یورپ کا مالی بار نہ ہندوستان پر پڑ سکتا تھا نہ پڑ سکتا ہے نہ ہندوستان کو مجبور و مفلس بنا کر کسی قابل رکھا گیا ہے۔ پھر

بھی مالی وجانی اعانت کے لئے ہر سختی وتعدّی کے ساتھ گلا دبایا گیا اور خون چوسا گیا۔ سیاست مذہبیہ دونوں مددوں کو حرام بتاتی تھی اور حرام بتاتی ہے۔ اسی طرح ملک کی اقتصادی حالت بھی ممنوع ٹھہراتی تھی اور قطعاً عقل انصافی کا بھی تقاضا نہ تھا کہ لُٹا۔ پٹا۔ بے کس۔ بے مایہ، ہند ایسے نقصانات اُٹھائے اور پھر بھی سوا بربادیوں کے کچھ ہاتھ نہ آئے۔

رولٹ بل

آکلو۔ یہی وہ خونی داستان ہے جسکے لکھتے بیان کرتے وقت ہر حسّاس انسان کا دل کانپ جاتا ہے اور یہی وہ جابرانہ قانون ہے جسکے متعلّق وزیر ہند کو سات سمندر پار بیٹھے ہوئے کہنا پڑا۔

"ہندوستان میں ہر چہار طرف اسکی مخالفت ہوئی"

قانونی نقطہ نظر سے اس مردم کش اور ظالمانہ نتائج سے مملو قانون کی خرابیاں ہند کے مسلّم مدبّرین ومقنّنین نے ایسے واضح طریقہ سے ظاہر کر دیں۔ اور اس درجہ مدلل ومستند طرز سے اسکی لغویت ودآزار دہی کا بیان دیدیا کہ اب کسی ذی عقل کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

مگر جو عمّال یہ چل کھیلتے ہوں کہ مسلمانوں سے کہیں یہ قانون تو ہندوؤں کے لئے اور سمیتہ گرہ اور مقاومت مجہول کے ہدم بنیان کے واسطے بنایا جا رہا ہے اور ہندوؤں کو یوں پرچائیں کہ تم کیوں مخالفت کرتے ہو یہ تو مسلمانوں کے لئے ہے اور تقسیم مستقر وممالکِ خلافت (خدانخواستہ) کے وقت انکو شکنجہ میں جکڑنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ ایسے متلوّن المزاج ذلیل الحرکات دنی الطبع ارکان حکومت سے

کیا اُمید ہوسکتی ہے کہ نفس مسئلہ کی بطالت و مضرّت پر توجہ کرتے اور اسکے متعدی و بربادی افزا نتائج پر بدل فکر سے کام لیتے۔ جو پہلے ممبرانِ کونسل۔ سر سنکران نائر، محمد علی جناح، پنڈت مالوی جی، مسٹر بی این شرما، مسٹر مظہرالحق ہاکے مستعفی ہونے۔ پھر ملکی لیڈر گاندھی جی کے گرفتار اور ملک میں عام ہڑتال ہونے۔ پھر دہلی امرتسر۔ لاہور۔ قصور۔ احمد آباد۔ ویرم گانوٗں میں عظیم سیلاب غارتگری امنڈنے کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

اِن فسادات کے نتائج و واقعات کی نہایت ضمنی توضیح کی ضرورت ہے تاکہ سلسلہ بیان ایک تذکرۂ ہائلہ کے لئے اتمام پذیر ہوجائے اور یہ تاریخی مواد یکجا رہے۔ جس سے آنے والی نسلیں ہند کے مظلوم و بےکس افراد کے یاد تازہ رکھیں۔ اور مہذّب حکمراں قوم کی یہ بربریت و بہیمیّت تاریخی مظالم کا عنوان بنکر عبرت و غیرت کا درس دیا کرے۔

مقامات مذکورہ پر جو مجالس رولٹ بل کی مخالفت میں آئینی جوش و خروش کے ساتھ اجتماعی صورت میں ہوئیں اُن پر مندرجہ ذیل وحشیانہ مظالم ہوئے۔

(۱) نہتے مجمع پر فیر۔

(۲) دہلی کے معززاشخاص کو اسپشل کانسٹبل بناکر اُنکی توہین کرنا۔

(۳) امن پسند رعایا کو حربی موٹروں سے مقابلہ کی دھمکی۔

(۴) ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی گرفتاری۔

(۵) گولیاں چلانا۔

(۶) بیساکی میلے کے دن لاہور کے جلیانوالے باغ میں جنرل ڈائر کا

گولیاں چلا کر خود ان کے بیان کے مطابق پانچسو[۵۰۰] کا ہلاک اور پندرہ سو[۱۵۰۰] کا زخمی کرنا۔ باوجودیکہ یہ مجمع نہتّا تھا۔

(۷) زخمی و مقتول ظلم رسیدوں کو طبّی مدد نہ دینا۔

(۸) پیٹ کے بل چلنے کا حکم دینا۔

(۹) سر بازار تازیانے لگانا۔

(۱۰) گولیاں چلانا۔

(۱۱) مارشل لا کے اعلان سے پہلے اُس پر عمل درآمد۔

(۱۲) حکّام کو سلام نہ کرنے کے جرم میں سزا دینا۔

(۱۳) لاہور میں پھر ۱۱ و ۱۶ ار اپریل کو گولیاں تیسری بار چلانا۔

(۱۴) چودھری رام بھجدت - لالہ ہرکشن لال وغیرہ کا گرفتار کیا جانا۔

(۱۵) دوسو ستّائیس اشخاص پر مقدمہ چلانا جن میں سے ۶۶ کو ضرب بید لگانا بقیہ کو سزا دینا

(۱۶) سناتن دھرم کالج کے پانچسو طلبا کو گرفتار کر کے تین میل تک دھوپ میں دوڑانا۔

(۱۷) کثیر التعداد طلبا کو سزائیں دینا۔

(۱۸) غربا کے امداد پانے کے لنگر خانہ کو بند کر دینا۔

(۱۹) لاہور کی شاہی مسجد میں گوروں کا سخت توہین آمیز افعال کرنا پھر مسجد کا بند کر دینا۔

(۲۰) شہر میں ہوائی جہازوں کا گھمانا۔

(۲۱) پنجرے میں آدمیوں کا بند کرنا۔

(۲۲) زمین پر سر ٹیک کر چلنے کا حکم دینا۔

(۲۳) بازاری عورتوں کے سامنے شرفا کو مارنا۔

(۲۴) تمام آبادی کے سروں کا ننگا کرنا۔

(۲۵) پبلک پھانسی کھڑی کرنا۔

(۲۶) پولیس کی مرتبہ فہرست پر بلا تحقیق گرفتاریاں۔

(۲۷) ضمانت پر رہائی نہ دینا۔

(۲۸) گرفتار شدہ اشخاص کو ہتکڑیاں بیڑیاں پہنے دو میل تک بازاروں میں پھرانا

(۲۹) اِن سب کا خلاصہ وعطر فتنہ مارشل لا کا پنجاب کے مقامات مذکورہ پر جاری ہونا اور حسب بیان ڈاکٹر ستیہ پال۔

ہاتھ پاؤں باندھکر انگارے ہتیلیوں پر رکھنا۔

تکلیف ضرب بید سے بیہوش ہو جانے والے بچوّں کو ہوش میں لاکر پھر تکلیف دینا۔ کنوئیں میں گرے ہوؤں کو نکالکر مارنا۔

یہ مختصر اشارات اُن واقعات وفسادات کے ہیں جنکو رولٹ بل کی منحوس تجویز نے برپا کیا۔ اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک ایسے خونی اور وحشیانہ مظالم کا باب قائم کیا جنکو آنے والی نسلیں سُنکر سہم جایا کرینگی اور انکو یہ فیصلہ دینا مشکل ہوگا کہ یہ انسانوں اور وہ بھی مدعیانِ تہذیب وتعلیم انسانوں کا کام تھا یا خونخوار اور مردم کش درندوں کا۔ ایسے عمّال وحکّام جن کے یہ کارنامے اور انسان کشی کے واقعات ہیں نہ صرف رعایا بلکہ سلطنت

کے بھی دشمن اور اُسکی جڑ کو کھوکھلا کرنے والے ہوتے ہیں جنکی ایسی ذلیل حرکتیں اور خلافِ انسانیت فطرتیں عہد سلطنت کو بدنام و رسوا کردیتی ہیں - ایسے وقت میں اُن سے بالا حکّام و شاہ کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ضمیر سے پوچھے کہ یہ افعال کیسے ہیں - اور انسانیت کے حقیر سے حقیر مرتبہ سے کتنی دور اور پھر وہ بالا ذمہ داران مملکت مثلاً وائسرائے بہادر - تدبّر کریں اور انصافاً بتائیں کہ اُنہوں نے کیا کیا اور کہانتک سیاست ملکی کے منصفانہ اصول کو بلا لحاظ رنگ و قومیت برتا - فہرست نمبر دوم - وہ واقعات جنکی ذمّہ داری تنہا نائب السلطنت کی طرف منسوب ہے

(۱) اخبار کے نمایندوں کا وفد جو بغرض منسوخی پریس ایکٹ حاضر ہوا تھا اُسکو مایوس کُن جواب دینا -

(۲) ملکی لیڈر گاندھی جی کی گرفتاری کا حکم جاری کرنا -

(۳) بعض لیڈروں کا بعض صوبوں میں حکماً داخلہ بند کرنا -

(۴) مسٹر بے، جی، ہارنیمن ایڈیٹر بمبئی کرانیکل کا ہندوستان سے اخراج

(۵) امپیریل کونسل میں سر اجلاس بعض غیر سرکاری ممبروں سے رولٹ ایکٹ کی مخالفت پر نامناسب برتاؤ -

(۶) رولٹ ایکٹ کا عام رائے کے خلاف پاس ہوجانا -

(۷) ریفارم اسکیم میں مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت سے انکار کرنا -

(۸) ڈیڑھ ہزار نوجوانوں کا گرفتار کیا جانا -

(۹) ہنگامہائے پنجاب میں مسٹر اُڈوائر کو انتہائی اختیارات دے کر مطلق العنان بنادینا -

(۱۰) مظلومین پنجاب سے وقت داخلہ صوبہ کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار نہ کرنا اور امرتسر یا لاہور نہ جا کر مثل سابق نائب السلطنت لارڈ ہارڈنگ واقعات پنجاب کو مثل واقعہ کانپور اپنے ہاتھ میں نہ لینا۔

(۱۱) مسٹر اُڈوائر جیسے غیر ہر دل عزیز صوبہ کی مدّت ملازمت میں توسیع کرنا

(۱۲) بموجب حکم شاہ انگلستان، ہندوستان کے سیاسی نظربندوں کی آزادی میں فیاضانہ جدّوجہد نہ کرنا۔

(۱۳) قانون تحفّظ ہند کا جنگ کے چھ ماہ بعد تک ختم نہ ہونا۔

(۱۴) انڈیا آفس اور وزیر ہند کو فسادات پنجاب کی مدّت تک تفصیلی اطلاع نہ دینا

(۱۵) پِلیس کانفرنس پیرس میں باوجود مسلمانوں کی جائز خواہش کے کوئی مُسلم نمائندہ نہ بھیجنا۔

(۱۶) تمام ہندوستان کی عام خواہش کے خلاف بے وقت جشن صلح منانا

(۱۷) وفد خلافت کو ضرورت سے زائد خشک جواب دینا۔

مثل ان کے اور بھی واقعات ہیں۔ جن پر وائسرائے ہند کی بے توجہی باعثِ عزت نہیں کی جاتی۔ بلکہ ایک حد تک حقارت پیدا کرنے والی ہے۔ جو واقعات وافعال سلسلہ شمار میں اخذ و نقل کئے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض سہو و تساہل قانونی کی دفعہ میں آجائیں۔ لیکن ہنگامہائے پنجاب و معروضات عامہ کی دفعات ایسی نہیں کہ عام طور پر اُن سے بے پرواہی ذمّہ دار حکومت سے رہا سہا حُسنِ ظن کو علیحدہ نہ کر دے۔ اگر جذبات عامّہ کی ترجمانی صداقت و انصاف کے ہم مفہوم ہے تو باور ہونا چاہئے کہ جو الزامات عُمّال و حکّام اور خاص نائب

حکومت کی طرف منسوب کیئے گئے ہیں اُن سے ہند کی بے زبان رعایا اس درجہ مجبور ولاچار ہو چکی ہے کہ آخر الامر ہندوستانیوں کی مسلّمہ سیاسی انجمنوں لیگ، وکانگریس، نے نائب حکومت کو ناقابلِ حکومت ہند سمجھکر شاہ ہندوستان سے قبل از وقت اُن کے واپس بلا لینے کی درخواست کی ہے۔ جب واقعات یہانتک طول پکڑ جائیں اور عام قلوب میں عہد حکومت کی ناپسندیدگی اس سختی سے جاگزیں ہو جائے تو پھر ہر ذمّہ دار حاکم کو خود اپنی شخصیت کا اندازہ کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اب اُسے کیا رویہ اور کونسا راستہ اختیار کرنا ہوگا جو اُسکے پچھلے واقعات یاد آنے دے اور اسکے سابق افعال نامرضیہ کی تلافی کردے۔

حالات حاضرہ و واقعات پر نظر کرتے ہوئے جس کسی مُدبّر سے پوچھا جائیگا۔ وہ وایسرائے ہند کے لئے یہ مشورہ دیگا کہ اب وہ امور جنپر عامل ہونا مدبّر و کامیاب وایسرائے بنا دے گا۔ یہ ہیں۔

(۱) رولٹ بل کو منسوخ کرنا۔

(۲) قانون تحفّظ ہند کو منسوخ کرنا۔

(۳) پریس ایکٹ کو منسوخ کرنا۔

(۴) ریفارم اسکیم کے ضروری اجزاء پر فیاضانہ عملدرآمد۔

(۵) ہندوستان کے باقی سیاسی نظر بندوں کی رہائی۔

(۶) حضور نظام دکن کو شاہ (ہز مجسٹی) کا خطاب لوٹا کر صوبہ برار واپس دلانا۔

(۷) وہ کمیٹی و قانون جس سے یورپین حکّام پر باوجود مظالم مقدمہ نہ چل سکے توڑنا یعنی انڈیمنٹی ایکٹ کی منسوخی۔"

مذہبی رہنمائی کا فرض ادا کرتے ہوئے میں بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ مندرجہ بالا مشوروں پر حاکم بالا و ذمہ دار اعلیٰ عامل نہ ہوسکے یا اُن میں کچھ قانونی پیچیدگیاں دیر طلب ہوں تو صرف ایک کام ایسا پیش کیا جاسکتا ہے جسمیں کافی سعی کرنا۔ اور پورا پورا قوت کو کام میں لانا۔ ہندوستان کا مدبر و کامیاب نائب السلطنت بنا سکتا ہے۔ اور تمام گذشتہ فروگذاشتوں کی تلافی کرسکتا ہے۔ غالباً اب دُنیا میں کسی کو انکار نہو گا کہ مسئلہ خلافت عالم کے اہم ترین مسائل سے ہے اور ٹرکی دولت کا بقائے اقتدار کروروں نفوس کی مذہبی حیات کا مبحث ہے۔

میں مختصر الفاظ میں مسئلہ خلافت کے متعلق ایک تاریخی و مذہبی افادہ کرتا ہوں اگرچہ اِس بحث کی عظمت و اہمیت کافی طور پر ظاہر و عیاں ہوچکی اور قریب قریب دنیا کی ہر زندہ زبان و معاملہ فہم قوت بیان میں اس کا نشر ہوچکا اور کامل وثوق و اعتقاد سے مجھے کہنے کا حق ہوگیا ہے کہ دنیائے اسلام کی چالیس کروڑ مردم شماری میں ایک متنفس بھی ایسا نہ ملے گا جسکو خلافت موجودہ عثمانیہ سے دلی ارادت و عقیدت نہو۔ ممکن ہے کچھ افراد ایسے مفروض ہوسکیں جنکو تسلیم خلافت میں تامّل یا حضرت سلطان المعظم کے خلیفہ ماننے میں تساہل ہو۔ مگر وجوہات ذیل میں سے ایک نہ ایک وجہ ضرور ہر مسلم کا سر آستانۂ خلافت کی طرف جھکادیگی۔

بحیثیت خلیفۃ اسلام و امیر المومنین ہونے کے۔

بحیثیت قدیم مسلم فرمانروا کے۔

بحیثیت محافظ و خادم اماکن مقدسہ کے۔

بحیثیت محسن مسلمانان عالم ہونے کے۔

دوسرا درس

بحث خلافت میں۔ ہم نے جن مختصر الفاظ کا وعدہ کیا تھا انکو یوں پیش کیا جاتا ہے۔ خلافت و امامت مذہب اسلام کا جزو اور بانیٔ اسلام کی وراثت اور تعلیم دین کا امر لازم ہے علم الشرایع والاحکام کا کوئی چھوٹا بڑا صحیفہ ایسا نہیں جسمیں مبحثِ خلافت و امامت نہو۔ اور مسلمانوں کو ہر زمانہ میں نصب و تسلیم خلیفہ و امام کا امر دیا گیا ہو تاریخ و سیرت کا کوئی مجلّد نہیں جس نے تحقیقی درس متعلق خلافت دیتے ہوئے نہ بتایا ہو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وصال ہی دفن سے قبل جس امر خطیر کی طرف دین کے اصحاب حلّ و عقد نے توجہ کی وہ خلافت کا امر تھا۔ جسکی طرف حکم خداوندی اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ توجہ و جوبی دلا رہا تھا۔ اوّل اوّل خلافت کی بُنیاد اس طرح پڑی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی تو آپ نے ابوبکر صدیق کو اپنا قائم مقام کیا اور نماز چونکہ امور دینیہ میں بزرگ تر فرض الٰہی ہے اور اسکی امامت منجانب نبیؐ ابوبکرؓ کو دیگئی لہٰذا بعد وصال سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگ آپکی خلافت پر راضی و مجتمع ہوگئے نبی کی جانشینی اور قائد سابق کی نیابت کے سبب تو خلیفہ کا اطلاق ہوا اور مسلمانوں کے پیشرو اور پیشوا و ہادی ہونے کے لحاظ سے امام اور صاحب امر و نافذ او امر الٰہی ہونے کے حیثیت سے امیر المؤمنین کہا جانے لگا اس معنی کے اعتبار سے یہ تینوں الفاظ ایک ہیں اور ایک ہی مدلول پر دلالت کرتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ کسی خلیفہ کا لقب امیر المؤمنین زائد مشہور و متوارث ہوا

کوئی امام زائد کہا گیا حضرت ابو بکر صدیق بعد وصال رسول اکرم خلیفہ رسول اللہ
کہلاتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کو لوگوں نے خلیفہ رسول اللہ کہنا شروع کیا اس
وقت خیال کیا گیا کہ امتداد زمانہ و وسعت سلسلہ خلافت کے ساتھ یہ اضافتیں
یونہی بڑہتی گئیں تو ایک وقت میں یہ لقب مہمل ہو جائیگا اور اتنا ثقیل اور بعید
از فہم بنجائیگا کہ بجائے لقب کے ایک خاصا سقامہ اضافتوں اور مقالہ نسبتوں کا ہوکر
تعارف و تعریف و تذکرہ و خطاب کے لئے ایک تقریر کا وقت لیا کریگا۔ لہذا بعض
لوگوں نے حضرت عمر کو قواد البعوث اور امیر المومنین کہنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے
عبداللہ ابن جحش نے آپکو امیر المومنین کہا یا عمرو بن عاص یا مُغیرہ نے اس خطاب
ولقب سے آپکو یاد کرنا شروع کیا غرضکہ مسلمانوں نے حضرت عمر کے زمانہ سے خلیفہ کو
امیر المومنین کہنا پسند کیا پھر آپ کے بعد کے خلفا بھی اسی لقب سے یاد کئے گئے
اور بنی اُمیہ کے آخر عہد تک خلیفہ کے لئے یہ لقب مخصوص رہا البتہ شیعہ گروہ
نے خصوصیت سے حضرت مولٰیؓ کو امام کہنا شروع کیا اور جن لوگوں کو آپ کے بعد
منصب خلافت کا حقدار سمجھا انکو بھی ائمہ وامام کہا۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ جب
سلطنت و دولت کا استیلاء ہوا تو ائمہ مابعد کا لقب بھی بجائے امام کے امیر المومنین
کر لیا گیا اسی طرح دولت عباسیہ کی بھی ابتدائی حالت رہی کہ وہ اپنے ائمہ کو امام
بھی کہتے رہے یہانتک کہ ابراہیم کی امامت جب بنی اُمیہ سے لڑکر ختم ہوئی اور
ان کے بھائی سفاح کا عہد آیا تو وہ بھی عام لوگوں میں خلیفہ و امیر المومنین کہے گئے
یونہی شیعانِ افریقہ بھی عبیداللہ المہدی اور اسکے بیٹے ابو القاسم تک اپنے قائدین
مملکت کو امام ہی کہا کئے مگر سلطنت کو استقرار ہو گیا تو ابو القاسم کے بعد جو امام

ہوئے انکو امیر المومنین کہکر یاد کیا تاکہ یہ بھی خلیفہ سمجھے جائیں۔ مغرب میں وارثہ بھی امام کہلاتے تھے مگر بعد کو خواہش خلافت میں بعد استقرار سلطنت امیر المومنین کہے جانے لگے یہانتک کہ مشرق کے تمام سلاطین امیر المومنین کے لقب سے یاد کئے گئے مگر عرفاً یہ لقب اُس خلیفہ کے لئے تھا اور رہا جو خدمت حجاز و عراق و شام انجام دے اس تفصیل سے فقط یہ غرض تھی کہ خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین، امام المسلمین کے القاب کا اتحّاد مفہوم ظاہر کر دیا جائے اور اس عامیانہ واہمہ کا دفعیہ ہو جائے کہ خلیفہ اور ہے امام و امیر اور، اسکے بعد ہم بتاتے ہیں کہ خلافت کی تین قسمیں ہیں راشدہ - کاملہ - ناقصہ، خلافت راشدہ حضرات خلفائے اربعہ سیّدنا ابو بکر صدیق، سیّدنا عمر فاروق، سیّدنا عثمان غنی، سیّدنا حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور چند ماہ زمانہ حضرت سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ تک رہی اور ختم ہو گئی اور اس خلافت راشدہ میں فترہ و انقراض و عدم تسلسل واقع نہ ہوا بلکہ یکے بعد دیگرے یہ خلافت راشدہ ہی رہی - خلافت راشدہ کے بعد کاملہ اور ناقصہ کے مراتب و ادوار ہیں اور ان میں عدم تسلسل بھی ہوا ہے اور کچھ حضر نہیں مثلاً حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت مرتبہ عظمت میں خلافت راشدہ کے ضمن میں حسب رائے امام شافعی محسوب ہے - اگرچہ اس سے قبل خلافت ناقصہ کے چند دورے ملتے ہیں - خلافت حفاظت دین و سیاست دنیاوی کے مجموعہ کا نام ہے - اور چونکہ سچّا اور فطرتی مذہب وہ ہے جو تمدّن اور اجتماع نوع انسانی کی بھی نگہداشت کرے اور حدود احکام دینیہ کا بھی نفاذ و اجرا رکھے اور قہر و تغلّب کی حیوانی و غضبی قوتوں کی روک تھام بھی کرتا ہے جس سے امن و

امان کا دروازہ اور قتل و غارتگری کا بازار سرد ہو اور ایک ایسا قانون رواج پائے جو حرمت احکام الٰہیہ کے ساتھ تحفظ استیلائے سلطنت پر بھی حاوی ہو۔ اور قاطبۃً ملک و قوم اسکے سامنے سر انقیاد و تسلیم خم کردے، یہ ایسا قانون اگر محض مقنّنین مملکت و مدبّرین سلطنت کا وضع کیا ہوا ہوگا تو قانون عقلیہ سیاسیہ کہا جائیگا اور اگر وہ قانون منجانب اللہ بواسطۂ نبی و رسول انسان کی دینی و دنیوی فلاح کے لئے بھیجا گیا ہوگا تو قانونِ سیاست دینیہ کہا جائیگا۔ اسی سیاستِ قانون دینیہ نے بعد عہد نبوت خلافت کی صورت میں اجرائے کار مصالحِ دینیہ و مفاد اخرویہ اور کسر قوائے غضبیہ و تحفظ و ہتک حرمات الٰہیہ کا منصب لیا اور چونکہ مذہب اسلام نہ رہبانیت محضہ کا نام ہے نہ صرف سیاست عقلیہ کا۔ بلکہ جس طرح اس خدائی دین کا نظام اپنے متّبعین کو حقوق عبادت میں بلا تفریق رنگ و قومیت یکجا کرتا ہے اور خدا کی پرستش کے میدان میں سب کو یکساں حالت میں اکٹھا کر دیتا ہے یونہی معاملات میں بھی ایک افریقہ کے وحشی کو مقام سلطنت دار الاسلام کے رہنے والے کے برابر حقوق دیتا ہے۔ پس سیاست اسلام کا جزو لاینفک ہے اور روحانیت کا وہ معتدل راستہ جس پر چلکر تعلقات عباد و تعلقاتِ الٰہی کی شاہراہ ملتی ہے۔ اسلام ہی اس کا دلیل و راہبر ہے، اسلام نے اپنے آپ کو دو دعوؤں سے ظاہر و رونما کیا ہے جلبِ نفع و سلبِ ضرر۔ پہلے دعوے نے ترقیِ نفسی و تکمیل ذاتی کی منزل تک پہنچایا اور دوسرے دعوے نے دوسروں کی صلاح و فلاح کا بیڑہ اُٹھانے پر بھی قدم بڑھایا۔

تاریخ اسلام کے پڑھنے والے باخبر ہیں کہ کس طرح اسلام کی ترقی و فتوحات گے

دروازے وا ہوئے اور کس نہج سے تعلیم واصلاح اسلام کا اثر رعایا سے لیکر شاہ تک۔ غریب سے گذر کر امیر تک خاک سے اٹھکر تخت تک پہنچا ویرانوں سے نکلکر آبادیوں کا زینت محل بنا۔ پہاڑوں سے زائد بوجھل اور بلند ہو کر دریاؤں کے سیلاب سے محیط و سریع ہو کر پھیلا وہ تقاضا طلب تھا کہ کوئی سلسلہ نصاب ونظام مکمل ہو جس سے جلب نفع وسلب ضرر دونوں قوتوں کا اظہار ونشر اپنے اپنے مقام پر ہوتا رہے اور مخلوق کی صلاح وسداد و دفع فساد کا نہ تھکنے والا ہاتھ ہمیشہ سرگرم کار رہے اور خدائی احکام کی سیادت وحفظ حرمت کے لئے فوج وعسکر سے تائید وتقویت اور تخت وآئین وضوابط تعزیری وتحریصی سے بقائے اقتدار ناموس دین وشوکت مذہب کا عنصر متحرک رہے۔ وہ سلسلہ نصاب ونظام، احکام مذہب کا مجموعہ ہے اور ان کا نافذ کرنے والا بعد نبوت ورسالت کے خلافت کا وجود ٹھہرا، جس کی اہم ذمہ داریوں پر نظر کرتے ہوئے اور ضرورت دوام کا لحاظ رکھتے ہوئے کچھ شرایط کا عائد کرنا ضرور ہوا۔ ان شرائط میں یہ امر قابل تدبر تھا کہ خلیفہ امتیازی شان ضرور رکھتا ہو مگر ایسا معیار امتیاز نہ مقرر کیا جائے جو مصالح دین وتنقید احکام وحفاظت وبقائے حرمت ناموس اسلام کو اپنی ندرت و وقت کے سبب ناقص کردے یا سنت الٰہیہ کے خلاف ہو لہٰذا بعد اسلام خلافت کے لئے شرایط اولیہ وضروریہ یہ چار مناسب سمجھی گئیں۔ علم عدالت، کفایت مہمات کی قدرت، سلامتی حواس۔ یہ وہ شرائط ہیں جو اصولی نظر سے منتخب کردہ ہیں۔ اور ضرورت دائمہ کی حیثیت پر فکر کرتے ہوئے بھی مناسب ہیں کہ اگر خلافت دائمی چیز ہے اور ہر زمانہ میں اس کا ہونا واجب ہے

تو یہ شرائط بھی ہونے اور پائے جانے لازمی ہیں - اور ممکن الحصول بھی ہیں۔ شرائط خلافت میں علماء محققین مذہب کا اختلاف ہے بعض نے مرتبہ عالیہ پر نظر کرتے ہوئے بعض شرائط کے اضافے کئے ہیں۔ بعض نے تنقید احکام کی جزئی دقتوں پر توجہ کرتے ہوئے بعض امور عالیہ کو لوازم شرائط مانا ہے۔ بعض نے منصب خلافت کو روحانیت کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے مکارم اخلاق کی انتہائی حدود تقوی وغیرہ کو ضروری بتایا ہے۔ بعض نے خصوصیت قرشیت کو لوازم خلافت سے باستدلال "الائمۃ من قریش" شرط مرجح و اولیٰ کہا ہے مگر یہ تمام اضافے اور اس قسم کے شرائط اولویت کے لئے ہیں یعنی جہانتک ہو سکے بہتر سے بہتر اوصاف وخصائل عصبیت کا رکھنے والا خلیفہ ہو۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ کوئی ذی عقل اُس کا منکر نہو گا اور ہر شخص یہی چاہے گا کہ ہمارا خلیفہ تمام محاسن و کمالات ظاہری و باطنی کا حامل و منبع ہو۔ لیکن یہ امور لوازم سے نہیں ہو سکتے۔ اور اس مرتبہ میں محسوب نہیں کئے جا سکتے کہ بغیر انکے خلافت متحقق و ثابت ہی نہو سکے۔ ایک طرف ہر زمانہ میں خلیفہ و امام کا قائم ہونا ہر عہد میں عہد خلافت کا پایا جانا واجب لازم۔ اور پھر نظر بر مصالح شرعیہ قیامت تک حاجت خلافت ناگزیر۔ دوسری طرف پھر ایسے شرائط و عوائد کا لازم کرنا جو جزوی خصائص کے سبب اس مرتبہ کے حصول و اقامت کو اشکال و امتناع کے ہاتھوں میں ڈالدیں مستحسن نہو گا لہذا جیسا کہ بیان بالا سے ہویدا ہوا بعد اسلام ایسے ضروری شرائط و لوازم ملحوظ رکھے جائیں گے جو منصب کی تکمیل کرتے ہوں۔ اور عام طور پر بھی ممتاز ہوں۔ اور قریب قریب ہر زمانہ میں اُن کا حصول ممکن و آسان ہو جس سے

اجرائے کار خلافت ہمیشہ باقی رہے حدیث الائمۃ من قریش پر بعض دماغوں کو زائد توجہ ہے۔ اور قرشیت کو خلافت کے لئے بعض نے شرط لازم کہنا شروع کر دیا ہے۔ جس کا مطلب یہانتک کھینچا جاتا ہے کہ غیر قرشی خلیفہ و امام ہو ہی نہیں سکتا حدیث پاک کی یہ تفسیر کہانتک غیر صحیح ہے۔ اور یہ معنی آفرینی کس حد تک نادرست ہے۔ اسکے لئے ہم ابن خلدون کے چند الفاظ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جو کافی وضاحت سے مراد حدیث اور مطلب صحیحہ ارشاد نبویہ کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ علاّمہ ابن خلدون اشتراط النسب قریش کے متعلق قاضی ابو بکر وغیرہ کا خلاف لکھکر تشریح مطلب حدیث کی طرف اس بیان سے متوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ احکام شریعت کی کچھ نہ کچھ غرض و غایت ضرور ہوتی ہے۔ جسکی وجہ سے وہ شریعت میں دخل پاتے ہیں۔ پس جب ہم غور کرتے ہیں کہ امامت کے لئے قرشی النسب قرار دینے میں شریعت کی کیا حکمت ہے۔ اور شارع علیہ السّلام نے اسے کیوں ضروری قرار دیا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں محض یہی مصلحت نہیں ہے۔ کہ قریش کو قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور اسکی برکت حاصل ہے۔ جیسے کہ عام لوگوں نے سمجھ رکھا ہے گو کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرابت و برکت کا مطلق خیال ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ محض یہ قرابت و برکت ہی حکم شریعت کی غایت اور حکمت ہے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ یہ امور مقاصد شرعیہ میں سے نہیں ہیں اس لئے اس ہی شرط کے لئے کچھ نہ کچھ اور حکمت و مصلحت بھی ہونی چاہئے۔ غور کرنے سے عصبیت کے سوا کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ عصبیت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے

حمایت و مطالبہ ممکن ہے۔ اور اُسکے زور سے تمام تنزاع امّت سے اُٹھ سکتے ہیں،
اور اُلفت ذواد کی حبل المتین بر جائے خود محفوظ اور شکست و انحلال سے بچ سکتی
ہے۔ کیونکہ قریش ہی ایک ایسا خاندان تھا کہ تمام قبائل مضر اسکے حامی و ناصر
تھے اور وہ ان سب پر غالب تھا۔ اور مضری اسکی عزّت و عصبیت و شرف کو
قبول و تسلیم کرتے تھے اور مضر کو قریش کا طرفدار اور مضر شرافت پاکر تمام قبائل اعراب
بھی اُسکی بزرگی و جلالت کا اعتراف کرتے تھے۔ اور قریش کے تغلب و امارت کو حق
بجانب سمجھکر اُس سے خوش تھے۔ اس لئے اگر شارع علیہ السّلام امارت قریش کے
سوا اور کسی کے لئے مقرر کرتے تو عرب کے اختلاف عام کی وجہ سے جھگڑا کھڑا ہو جاتا
اور اہلِ عرب ہرگز سر اطاعت اسکے سامنے خم نہ کرتے اور قبائل مضر میں سے اور
کسی کی بھی طاقت نہ تھی کہ اس اختلاف کی پُر زور آندھی کو دبا سکتا اور جہاد فی
سبیل اللہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی جماعت متفرق ہو جاتی
اور اختلاف کی آگ کے تباہ کن شعلے بھڑک اُٹھتے۔ حالانکہ شارع علیہ السّلام
نفاق و خلاف سے بچاکر مسلمانوں میں اتّفاق عام پیدا کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ انمیں
خویشی و عصبی اتّحاد قائم ہو اور وہ باحسن وجوہ حمایت و مطالبہ کی قدرت پا سکیں
یہ باتیں اسی وقت میں پوری ہو سکتی تھیں کہ امارت و امامت قریش کے ہاتھ
میں دیجاتی کیونکہ وہ چوب تغلب سے عرب کے بے مہار گلوں کو اپنے ارادہ کے موافق جدھر
چاہتے پھیر سکتے تھے۔ اور کسی کو ان سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ اس لئے کہ اس وقت
ان میں وہ قوت تھی کہ لوگوں کو نزاع و خوف سے روک سکتے اور برپا ہو جانے
کی حالت میں دفع کر سکتے تھے۔ انہیں مصلحتوں پر شریعت نے نظر کر کر۔ اس منصب کیلے

لئے قرشیت کی شرط لگائی تاکہ قریش عصبیت کے بل پر مذہب و ملّت کا باحسنِ وجوہ
انتظام کریں اور مسلمانوں میں عام اتفاق قائم رہے۔ چنانچہ جب امارت و امامت
قریش کے ہاتھ میں آئی۔ قبائل مضر نے اس کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب نے
سر اطاعت خم کر دیا۔ اور ان کے سوادِ دنیا کی بڑی بڑی قوموں نے احکام مذہب کے
آگے اپنے سر جھکا دیئے اور لشکر اسلام نے دنیا میں ہل چل مچا دی اور دُور دُور
کے ممالک فتح کر لئے جیسے کہ اسلام کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں ہوا۔ اور
اسکے بعد اُمویہ و عبّاسیہ سلطنتوں کے زمانہ میں یہی کیفیت رہی یہانتک کہ خلافت
مضمحل ہوئی اور عصبیت عربیہ پارینہ ہو کر نیست و نابود ہو گئی جس شخص نے اخبار
عرب کو بالاستیعاب دیکھا ہے اور قبائل اعراب کے احوال و آثار میں غور و خوض سے
کام لیا ہے وہ جانتا ہے کہ تمام بطون مضر پر قریش کو کیسی کچھ عزّت و شرافت
حاصل تھی۔ اور کہانتک اسکو تغلّب و استیلاء حاصل تھا۔ چنانچہ ان امور کو
ابن اسحاق نے اپنی کتاب سیرت وغیرہ میں بہ توضیح بیان کیا ہے۔ پس جب
ثابت ہو گیا کہ امامت و خلافت کے لئے قرشیت کی شرط نزاع و خلافت کے
دفعیہ کے لئے تھی اس لئے کہ وہی عصبیت و تغلب کی وجہ سے اس امر خطیر کے
متحمل ہو سکتے تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ شارع کے احکام کسی خاص وقت اور
زمانہ اور قوم کے لئے مخصوص نہیں ہوتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرشیت کی
شرط فرض کفایہ ہے۔ یہی ہمارا مسلک ہے اور امامت کے لئے اشتراط قرشیت
کی جو علّت خاص یعنی عصبیت ہے اسے ہم امامت کے لئے علّت مطرد اور
ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا اب ہمارے نزدیک جو شخص مسلمانوں کا حل و عقد رکھتا

ہو - ضرور ہے کہ کسی قوی اور غالب عصبیت والی قوم میں سے ہو تاکہ اُسکے زمانہ میں جو اور قومیں ہیں عام غلبہ کی وجہ سے اس کا اتّباع کریں اور حمایت پر سب کے سب متفق رہیں لیکن جو عصبیت قریش کو حاصل تھی اس زمانہ میں دنیا کے مسلمانوں کی کسی قوم کو وہ عصبیت و شوکت حاصل نہیں کیونکہ دعوت اسلام خود قریش سے ہوئی اور تمام قریش اسپر ایمان لائے اور عرب کی تمام عصبتیں اُسکی حامی و مددگار تھیں - اس لئے دنیا کی تمام مشہور قوموں پر اس کا غلبہ اس زمانہ میں جبکہ قریش کے لئے کوئی عصبیت موجود نہیں ہے اور قرشی عصبیت مفقود و معدوم ہو چکی ہے - اسکے سوا کیا چارہ ہے کہ ہر ملک میں اسی شخص کو امیر و امام بنایا جاوے یا مانا جاوے جسکی عصبیت اس ملک میں غالب و باشوکت ہو - اگر کوئی رازِ خلافت میں غور و فکر کرے تو اسے ہمارے اس بیان کے تسلیم کرنے میں کچھ پس و پیش نہ ہو گا -

واقعی علّامہ نے خوب کہا کہ راز آشنائے مسئلہ خلافت کا تدبّر اور غایت منصب امامت کا واقف کارانہ تعمّق اس گتھی کو خوب سُلجھاتا ہے - کہ شرط قرشیت کا کیا وزن ہے، اور بغیر معاملہ فہمی و رمز شناسی و غایت دانی ایک طرف اگر شرط قرشیت کے لزوم کے دعویدار زوردار بیان دیتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف حموی حاشیہ اشباہ والنظائر کے صفحات میں یہ تخیل بھی مرقوم ملتا ہے کہ جب قرشی و غیر قرشی دو شخص ایک قابلیت و اہلیت کے خلافت و امامت کے لئے ملتے ہونگے تو غیر قرشی کو ترجیح دیجائیگی - اس لئے کہ قرشی کبھی بے راہ رو ہوا تو اس کا خلع کرنا اسکی جلالت نسب کے سبب دشوار ہو گا - ہم اسکو بھی اسی طرح غلط کہتے ہیں جسطرح لزوم قرشیت کو، حاصل امر فقط دو لفظوں میں اتنا ہے کہ غیر قرشی بھی امام و خلیفہ

ہوسکتا ہے، اس مقام تک پہنچکر حالات حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے شریف مکہ کی خلافت وامامت حادثہ و منضونہ کے متعلق بھی صاف مذہبی نقطہ نظر سے فیصلہ کرنا ہے اور اپنا ایمانی و مذہبی بیان دیتا ہے ہم نے ان کے دعویٰ خلافت وامامت کو کسی معتبر تحریر و تقریر سے نہیں سُنا۔ البتہ اُنکی بغاوت اور خروج مشتہر و متواتر ہے اور وقوف بمر روایات رکھنے والے اُنکو باغی کہتے و سمجھتے ہیں۔ باقی وہ دماغ جو اس وقت انکو کسی مصلحت و خوف سے خلیفہ مانتے ہوں اور انہیں کی اثبات خلافت کے لئے شرط قرشیت پر مصر ہوں وہ پہلے اس بحث کو طے کریں کہ خلافت وامامت کا انعقاد و نصب کس طرح ہوتا ہے متکلم ہند شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں اسکی چار صورتیں لکھتے ہیں۔

نمبر۱۔ خلافت اجماعی۔ تمام مسلمان اور اہل حل وعقد اتفاق کر کے ایک شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں۔

نمبر۲۔ استخلاف۔ ایک مسلم خلیفہ اپنی زندگی میں کسی کو نامزد کردے۔

نمبر۳۔ خلافت شوریٰ۔ ایک مجلس کثرت آراء سے کسی کو خلیفہ بنادے۔

نمبر۴۔ استیلاء۔ غلبہ اور قوت خلافت منوادے۔

اب غور کیا جائے اور خلافت شوریٰ، اور استیلا، دونوں صورتوں پر نظر کرتے ہوئے اور پھر اسکی اجماعی تسلیم صدیوں سے دیکھتے ہوئے۔ اور خلافت دولت عثمانیہ سے شریف مکہ ایک عامل خلافت کا مقابلہ اور اسکی خلافت وامامت کا واہمہ واختراع ذہن میں لئے ہوئے پہلے تو یہ حدیث سُنی جائے عن سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین

فاقتلوا الآخر منہما جب ایک وقت میں دو خلیفوں کی بیعت کا وقت آجائے تو دوسرے کو قتل کردو۔ اسکے بعد الائمۃ من قریش سے شریف مکہ کی جنبہ داری اور زائد اگر سننا چاہیں اور شریف صاحب کی قرشیت ہی کے کمال کے سبب انکو مستحق خلافت سمجھتے ہوں تو یہ بھی ارشاد نبیؐ معلوم کرلیں کہ ایسے باغیوں کی قرشیت موجب صلاح وسداد نہیں ہوسکتی بلکہ باعث خلل وفساد بھی جاسکتی ہے عن ابی ھریرۃ قال سمعت الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم یقول ھلکۃ امتی علی یدی غیلمۃ من قریش حضور فرماتے ہیں میری امت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے ہاتھ پر ہوگی کیا اس حدیث کے بعد شریف کے کرتوتوں سے واقفیت رکھنے والے انکو خلیفہ سمجھنے اور انکی قرشیت کو منصب خلافت کا مستحق ہونے کے لئے وہم بھی کرسکتے ہیں اور کیا شریف کے لئے اس سے زائد کچھ کہہ سکتے ہیں عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ لاتقوم القیامۃ حتّٰی تقتتلوا امامکم وتجتلدوا باسیافکم ویرث دنیاکم شرارکم سرکار فرماتے ہیں قسم اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے قیامت نہ قائم ہوگی جب تک تم اپنے امام سے نہ لڑو اور اپنی تلواریں درمیان نہ کرو، اور تم میں کے بدتر تمہاری دنیا کے وارث ہوں۔

ہم اس وقت مجبور ہوکر کچھ ایسے حالات وواقعات کا انکشاف کرتے ہیں جو اس وقت تک اخبارات میں نہیں آئے ہیں اور خدا کرے نہ آئیں لیکن افواہاً مشہور ہیں اور روایتاً مشتہر ہیں اور یہ وہ واقعات وحالات ہیں جنکو

اُسنکر شریف کی ظالمانہ حرکتیں اور اس کا نصاریٰ کے ہاتھ فروخت ہوجانا۔ دین و مذہب کے ساتھ عزّت و ناموس وغیرت، حمیّت و حیا و شرم کو خیرباد کہدینا متوہم ہوتا ہے مشہور ہو رہا ہے کہ اُسکی بیعت کی کوششیں کی جارہی ہیں یا کی جائینگی۔ اس وقت کے لئے انشاءاللہ یہ انکشافات مفید ہونگے اور اتمام حُجّت بنکر ہر واقف کو اسکی تسلیم سیادت سے باز رکھیں گے اسکے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ترکوں کی خدمتِ حرمین کا زمانہ کیا تھا اور اب امیر حجاز صاحب کی امارت کا کیا دَور ہے۔ اور انکی حرص و آز کے پردہ میں۔ غدّاران نصاریٰ و دشمنانِ اسلام نے کس حکمت و فریب سے اُس ارض مقدس کی حرمت کو بدنام و خراب کرنے کا سامان کر رکھا ہے۔ اور حدیث کی پیشینگوئی کہ اُمّت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی"۔ شریف سے کس درجہ پوری ہو رہی ہے۔ اگر واقعی یہ حالات اصلیّت رکھتے ہیں۔

شریف نے جو غارتگری و تعدّی حُجّاج و زائرین کے لئے برپا کر رکھی ہے۔ اُس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ ہزاروں حاجی زیارت روضہ منوّرہ سرکار مدینہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور جو شرف حاضری پاتے بھی ہیں۔ وہ اس طرح کہ اول تو جتنے صرف میں ایک قبیلہ حاضر ہوتا تھا اب اُس میں ایک یا دو حاضری دے سکتے ہیں پھر مدینہ طیّبہ میں حاضری کی مدّت مقرّر کر دی جاتی ہے کہ اُس سے زائد کوئی نہ رہے کرایہ کی گرانی اور اونٹوں کی قلّت کا سبب بدویوں کی زیادتی وغیرہ کہی جاسکتی ہے مگر جو واقف ہیں اُن کا خیال و بیان ہے کہ بدویوں کو اس سے زائد کچھ نہیں ملتا جتنا سابق میں ملتا تھا۔ سب زیادتی شریف کے نذرِ ظلم ہوتی ہے۔ جو طرح طرح

ستا ستا کر حاصل کی جاتی ہے۔ حق گو حضرات کے لئے شریف کا عہد جیسا پر مظالم ہے اُس کا بیان بہت طویل ہے اور اُسکے واقعات ایسے پیچیدہ و اہم ہیں کہ بہت زائد املا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جو عالم دیندار شریف کی بغاوت کسی قول و عمل سے ناپسند کرتا معلوم ہو جائے وہ یا تو شریف کی سہارا دینے والی طاقت کی زنجیروں میں نظر بند و اسیر ہوگا۔ یا مثل شیخ رابغ حرم میں فجر کو جاتا گولی سے مار دیا جائیگا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال کہا جاتا ہے شریف نے عورتوں کو ننگا کر کرا ور خاص مدینہ کی مخدرات کو جس طرح بے عزتی کے ساتھ نصاریٰ کے ہاتھوں میں دیا ہے اور ایسے مظالم کرتے وقت ان بیکس عورتوں کے روضہ رسول اللہ کی طرف اشارہ کر کے دُہائیاں دینے کو جو بہیمانہ تبسم کے ساتھ دیکھا سُنا ہے وہ ایک دو نہیں جو گنائے جا سکیں۔

شریف نے جدّہ کے بندر پر جس ٹھنڈے دل سے فاحشہ عورتوں کے علانیہ آباد ہونے کو روا رکھا ہے وہ کوئی چھپا دبا امر نہیں۔ شریف کے دور میں جس طرح مکّہ، مدینہ میں آہ آہ آہ، علانیہ شراب فروخت ہوتی دیکھی جارہی ہے اور بڑی بڑی مساجد کے امام حلقہ بگوشان شریف صاحب دختر رز کے بندے اور متوالے بندے بنے ہوئے ملتے ہیں وہ شاید بلکہ یقیناً صرف شریف ہی کے عہد سیادت کی برکت ہے اس سے قبل اور انشاء اللہ تعالیٰ اسکے بعد ایسا تاریخی دور نہ ملتا ہے نہ ملے گا۔

شریف کا جس طرح برطانیہ سے ساٹھ ہزار پونڈ کی رشوت و مشاہرہ سے مستفیض ہونا ایک گرم افواہ ہے۔ ایسی بیحیائی آجتک شاید کسی آفاقی و دیہاتی جاہل و بے راہرو عرب سے بھی نہوئی ہوگی۔ غرضکہ اگر شریف نصاریٰ کی چند کمینہ حرکتوں

اور پُر فریب چالوں کے مجسمہ کا نام ہے۔ جبکی سیادت و امامت منوائی جانے پر زور دیا جارہا ہے تو مسلمان کو بصد افسوس کہنا چاہیئے۔ اِنّا للہ، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ، وسیقتلھم اللہ اجمعین، بالجملہ خلافت کے لئے آزاد، خود مختار، مستحکم سلطنت کی ضرورت ہے کبھی یہ ایسی صورت کمالیہ و حقیقت جامعہ میں رونما رہی کہ ہدایت و سادگی کے سامانوں کے ساتھ مسجد کے فرش اور بوریوں پر اسکے اجلاس ہوتے تھے اور کبھی حضریت کے تکلفات اور قصر و ایوان کی سج دھج و شان و شکوہ سے اسکی جلالت رونما ہوتی تھی خلافت راشدہ کے تیسرے عہد یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقت سے ہی حضریت کی بعض باشکوہ شانیں ظہور پذیر ہوگئی تھیں حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے اپنی معیشت کی یادگاریں جس طرح چھوڑی تھیں اُنکو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ کی معیشت پر نظر ڈالئے تو بعد شہادت آپکے خزانہ صرف میں ایک لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم علاوہ وادی قریٰ اور حنین کی جاگیروں اور آراضی کے موجود ملتے ہیں اور آپکے زمانہ میں صحابۂ کرام کا جاگیروں و املاک و اموال کا مالک ہو جانا بھی حسب بیان مسعودی وغیرہ مورخین پایا جاتا ہے۔ حضرت زبیر کا پچاس لاکھ کا ترکہ بعد وفات نکلتا ہے اور ایک ہزار لونڈیاں ایک ہزار غلام اسکے علاوہ موجود ہوتے ہیں۔ حضرت طلحہ کی غلہ عراق کی آمدنی روزانہ ایک ہزار دینار تھی اور ناحیہ سراۃ کی آمدنی اس سے بھی زائد تھی حضرت عبد الرحمن ابن عوف کے اصطبل میں ہزار گھوڑے اور ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں موجود تھیں۔ حضرت زید ابن ثابت نے ایک لاکھ دینار کی جاگیر اور نقد

چاندی کی اینٹیں چھوڑیں۔ حضرت زبیر کے مصر، بصرہ، کوفہ میں عالیشان
مکان تھے۔ سعد ابن وقاص نے بہت بلند و وسیع سنگ سُرخ کا محل تیار کرایا
تھا۔ غرضکہ ہر خلافت کا طور عمل و معیشت باعتبار بدویت و حضریت مختلف رہا
کون کہہ سکتا ہے کہ بدویت کی سادگی معیشت و معاشرت خوب اور خوب تر نہ تھی
اور اس سے بھی کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ حضریت کے بعض اسباب شکوہ مخالفین
پر رُعب ڈالنے کے لئے ناروا اور غیر ضروری تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے حضرت امیر معاویہ سے ایسے تکلفات حضریت کے متعلق اظہار ناپسندیدگی
اوّل اوّل کیا تو حضرت امیر معاویہ نے بھی صحیح و حقیقی جواب دیکر حضرت فاروق
کی تسلّی کردی کہ میری مقامی و مرکزی سیاست کا اقتضا ہے کہ دشمنانِ دین کو
مرعوب رکھنے کے لئے ایسا کروں۔ اس مضمون سے ہم ضمنًا یہ نتیجہ پیش کر رہے
ہیں کہ جتنا جتنا سلسلۂ خلافت بڑھتا گیا اتنی ہی نظر بر ضروریات بعض بعض
جائز تبدیلیاں اور دیگر شان نمائیاں رونما ہوتی گئیں مثلاً خلافت راشدہ
کے لئے مدینہ مطہرہ سے بہتر کونسا مستقر خلافت ہو سکتا تھا مگر حضرت مولا علی کا
کوفہ کو مستقر بنانا بھی بحث ناپسندیدگی میں نہ آیا اسی طرح اور بھی زائد امتداد زمانہ کا
جب اثر بڑھا تو بعض شرائط تک میں بھی تخفیف روا رکھی گئی۔ اور ایسے احکام
و لوازم جو صرف فیض صحبت نبوّت کا ثمرہ ہو سکتے تھے متاخرین میں نہ موجود
ہونے کے سبب اصل مقصد خلافت و امامت میں بارج نہ سمجھے گئے اور اسکی
ضرورت دوام و اقامت کے لئے انکا فقدان مضر نہ ٹھہرایا گیا۔ البتہ خلافت
اولویت رہا اگلا سا نہ کہا گیا و بس۔ یہاں تک کہ بنو امیہ کی امارت نے

دمشق کو مستقرِ خلافت بنا کر خوب داد امارت دی۔ اور حضرت امیر معاویہ کی خلافت کے
کارہائے اسلامیہ پر نظر کرتے تو کہا جاتا ہے۔ کہ بلحاظ فتوحات و اشاعت انکی خلافت
خلافت فاروقی کے بعد ایک تاریخی یادگار ہے۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس کا دور
اقتدار و تسلّط آتا ہے اور اگرچہ مستقرِ خلافت بغداد ہوتا ہے۔ مگر خلفاء عباسیہ کا خطبہ
باوجود ایشیائی خلیفہ ہونے کے دور دور پڑھا جانے لگا بنو امیہ کے ۶۰ سنہ ہجری سے
۱۳۲ سنہ ہجری تک بارہ خلفا ہوئے۔ پھر ۱۳۲ سنہ ہجری سے ۶۵۶ سنہ ہجری یعنی پانچسو چوبیس
برس تک چھتّیس خلفا نے خلافت کی۔

بغداد کی خلافت کے تباہ ہو جانے کے بعد بنو عباس نے مصر میں ۶۵۶ سنہ ھ سے ۹۰۳ سنہ ھ
تک کار خلافت کو انجام دیا۔ خلافت بغداد کا اقتدار اس درجہ مسلّم و مقبول تھا کہ اگرچہ
ایشیا کے بڑے بڑے شاہنشاہ مثل عضد الدولہ، محمود غزنوی، ملک شاہ سلجوقی
گذرے مگر یہ سب کے سب دربار خلافت بغدادی سے القاب و فرامین حاصل کرتے تھے
آل بویہ سے ابو طاہر جلال الدین۔ اور سلجوقیوں میں طغرل بیگ بڑے دبدبہ والے
ہوئے ہیں۔ مگر انکو بھی خلعت و خدمت دربار خلافت بغداد ہی سے مرحمت ہوا تھا
اور خلیفہ بغداد (قائم بامر اللہ) ہی نے ان کے سر پر تاج رکھا تھا۔ ہندوستان جو اگرچہ
بہت بعید ملک اور علائق خلافت بغداد سے بمراحل و بمنازل دور خطہ ہے مگر یہاں
بھی قدیم سے خلافت کے ساتھ رشتۂ انقیاد و تسلیم مربوط ملتا ہے اور تغلق کا خلیفہ
عباسی سے فرمان منگانا اور اسپر بے انتہا مسرّت کا اظہار کر کے چند دن برابر
جشن منانا تاریخ کا سرمایہ ہے۔ ترکان آل عثمان کو بھی شرف خلافت خلفائے
عباسیہ سے ہی ملا ہے۔ اگرچہ ترکوں کو دولت سلطنت سلجوق سے ملی تھی۔ اور

اُن کی وسعتِ فتوحات ان کے قدم وسط و مغربی ایشیا سے بڑھا کر اضلاع شرقی کی طرف کا راستہ دکھارہی تھی اور ۹۱۰ھ میں جب سلطان سلیم خاں اول تخت نشین ہوا تو تسخیر مصر و شام کے علاوہ بغیر کسی حملہ کے حجاز و حرمین میں بھی اسکی خلافت مسلّم ہوگئی اور اسکی موجودگی مصر کے زمانہ میں والی مکّہ کا لڑکا ابوالبرکات اُسکی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی طرف سے حرمین کی کنجیاں خلیفہ کے سپرد کردیں اور حرمین میں اسکے بعد سلطان سلیم خاں کا نام خطبہ میں بحیثیت خلیفۃ المسلمین پڑھا جانے لگا اور اسکے ساتھ ہی خلیفہ متوکل عباسی نے بھی قسطنطنیہ کو تمام حقوق خلافت خلیفہ سلطان سلیم کا دیدیئے ۔ اور سُلطان کے عام اقتدار و فتوحات، و خدمات، تحفظ اسلام پر نظر کرتے ہوئے اپنے سامنے سلطان کی بیعت تسلیم خلافت سب سے لے لی جب یہ مقدس رسم ادا ہوگئی تو بحیثیت آزاد و صاحب قوت سلطنت ہونے کے بھی سلطنت مرکز خلافت بنگئی جو الحمدللہ ثم الحمدللہ آج تک برابر مسلّم و مقبول چلی آرہی ہے اور چھ سو برس کے زمانہ میں چھتیس تاجداران خلافت آل ترکان سے مسند آرائے خلافت ہوئے ہیں اور برابر عالم اسلامی میں انکی خلافت تسلیم ہوتی رہی ہے ۔ جسکا اقرار خود مسیحی و نصرانی مورخین و اہلِ یورپ مصنّفین و مدبّرین کو بھی ہے ۔ چنانچہ کتاب فیوچر آف اسلام کا مصنف جو ایک مشہور اہل علم عیسائی ہے لکھتا ہے ۔

"حنفیوں کے علاوہ مالکی، شافعی بھی جو پہلے خلافت عثمانیہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے اب خلیفہ ترکی کو صدق دل سے خلیفہ اسلام مانتے ہیں اور وہ سلطان المعظم کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں ۔ مصر میں بھی سلطان المعظم کو اس بارہ میں معقول

کامیابی ہوگئی ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمان بھی ہر جگہ مساجد میں ان کے لیے دعا مانگتے ہیں اور دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہیں سلطان ترکی کو جو تمام یورپ کو دھمکیاں دے رہا ہے اور جو تمام مسلمانان عالم کا سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے دفعۃً انکو آمادہ جہاد کر سکتا ہے۔ اپنا حقیقی دینی پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔

اِس دَورِ مصائب میں خلافت کی تعلیم کے لیئے بعض ایسے توہمات وظنون پیش کیئے جاتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے بالکل ناقابل التفات ہیں مگر چونکہ ان سے اصل بحث کی تبلیغ و تلقین میں رُکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور مذبذبین کی ہمت بڑھتی ہے یا سکوت من الحق کرنے والا گروہ اپنا جتھا بڑھانے میں ان سے کام لیتا ہے۔

لہذا ہم صرف ایک اشارہ وافادہ جلیلہ پر مامور و مجبور ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ خلافت کے مطالبات حکومت کی نظر میں وقیع ہونے کی قدرتی صورت نکل آئی ہے کہ یہ مسئلہ ملکی صورت میں آگیا ہے۔ اور ہند کے منصف مزاج عام دخاص اہل ہنود بھی مسلمانوں کو حق وصداقت پر قائم پاکر امر جائز واقعی کی حرمت کے لیئے مجاہدہ کرنے والا دیکھکر اور یہ اقرار کرکر کہ مسئلہ خلافت کی پامالی مسلمانوں کی بربادی ہے اور مسلمانوں کی بربادی کے بعد ملک کا نظم ونسق خوش حالی سے رہنا بھی نا ممکن ہے۔ لہذا مسلمانوں کا حق تلف ہونے کے ساتھ ہی اہل ہنود بھی برباد ہوجائینگے۔ اور وہ مصیبت جو مسلمانوں پر آئیگی اُس سے کسی طرح ملکی طور پر اہل ہنود بھی محفوظ نہ رہیں گے لہذا مسئلہ خلافت کی جلالت شان نے حکومت کے بالمقابل سعی ومجاہدہ کے لئے ہندو مسلم اتحاد کے قدم کو مضبوط کر دیا ہے اور یہ گراں قدر اتفاق ملکی مفاد کے راستہ میں ایک گراں قدر چیز بنگیا ہے اور برابر دیکھا

جاتا ہے کہ ہندو بلند آہنگی سے مسئلہ خلافت کے لئے مظاہرات کر رہے ہیں اور بعوض
و بغیر طلب معاوضہ اسکے مستقل و مضبوط کرتے جاتے ہیں مسلمان بھی چونکہ الحمدللہ
احسان فراموش نہیں اس اتحاد کو سراہنے اور کامیاب بنانے اور وقعت کے ساتھ
نباہنے میں۔ جہانتک مذہب اجازت دیتا ہے اور حرمتِ مذہب سے تصادم نہیں ہوتا
ہے مصروف و مشغول نظر آتے ہیں۔ اس مقام پر بعض حیلہ ساز بہانہ جو طبائع جو
اصلاحاً تو کبھی خوف سے مسئلہ خلافت میں ہی مذبذب یا جذبات حکومت کے ماتحت
ہیں۔ مگر اصولی طور پر مسلم و ہنود اتحاد کو اپنے خلاف یا سکوت و اغراض کا پردہ بناتے
ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ مسلم و ہنود اتحاد ترک قربانی وغیرہ وغیرہ تک
لیجائے گا۔ لہذا مضر ہے اور لائق علیحدگی ہے۔ افسوس کہ یہ گروہ اپنی کمزوری
پر نظر نہیں کرتا اور مسئلہ کی اہمیّت اور وقت کی نزاکت کا لحاظ کر کے صورت حالات
پر غور نہیں فرماتا اور دور از کار مظنونات میں پڑتا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک
اگر ہندو ہم سے اپنے اتحاد کے معاوضہ میں قربانی کا ترک و انسداد مانگیں اور یہ مستحسن
حق ہم سے سلب کرنا چاہیں اور ان کے ڈر سے یہ ہم کو ترک کرنا پڑے تو یقیناً
ناروا ہوگا اور کسی صورت سے جائز نہ کہا جائیگا۔ یا مثل اسکے کوئی اور ایسا عمل
خاص جو اتحاد ہندو مسلم میں کوئی غیر شرعی صورت رونما کرے تو وہ بھی مذہبی نظر
سے اچھی طرح نہ دیکھا جائیگا۔ مگر اس سے اصل کار میں کیا خرابی آتی ہے مذمومات
کا اختلاط اور مفسدات کی آمیزش نہ جائز ہو سکتی ہے اور نہ اسکے سبب اصل
امر قبیح ہو سکتا ہے۔ ہندو مسلم دونوں خاص مسئلہ خلافت کی بقا میں جدّ و جہد
کر سکتے ہیں اور اسمیں کچھ خرابی نہیں جب تک مذہبی امور میں جذب و انجذاب نہو

اس وقت ہمکو صرف اپنے پیش نظر اپنے مذہبی مسئلہ کی جلالت شان رکھکر اُس کو وزنی و وقیع بنانا چاہیئے اور حکومت کو یہ باور کرا دینا چاہیئے کہ یہ مسئلہ اس درجہ حق و انصاف و صداقت کا مسئلہ ہے کہ ہندوستان کی ہندو قوم بھی باوجود تخالف مذہب اسمیں ہم آہنگ ہے، اسکے بعد عقلاً و مذہباً خلافت کا یہ گہرا تعلّق مسلمانانِ عالم کے ساتھ معلوم کر کے غور کرنا چاہیئے کہ۔ اعلان جنگ درمیان ٹرکی و برطانیہ کے وقت ہند کے مسلمانوں پر کیا طاری ہوئی اور ہونی چاہیئے تھی۔ دو سخت آزمائشوں کا مقابلہ درپیش تھا۔

نمبر۱۔ جذبۂ ایمانی و اخوت مذہبی و وقارِ خلافت کا لحاظ خلیفہ کے مقابل و حریف کی ہر مدد سے روکتا تھا اور حق بھی تھا کہ روکے۔

نمبر۲۔ بادشاہ وقت بھی تلوار نہ اُٹھا سکتے تھے۔ اور نہ اس بے دست و پائی کے زمانہ میں اُن کا مذہب اسکی اجازت دیتا تھا۔ نہ اُس وقت تک وجوہات حربیہ و نقض معاہدات و ہتک حرمات دینیہ وغیرہ کی کچھ تفصیل و اطلاع تھی یہ حالت اضطراب دیر تک قائم نہ رہی۔ لارڈ ہارڈنگ سابق وائسرائے ہند نے ایک اعلان شائع کیا۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو اُس کا یہ مفہوم تھا۔ "نہ یہ جنگ مذہبی ہے نہ دورانِ جنگ میں مقامات مقدّسہ کو خطرہ ہو سکتا ہے" اِس اعلان نے مسلمانانِ ہند کو مطمئن کر دیا۔ اور ان میں سے مدد دینے والا گروہ جان و مال سے مدد دینے کو تیّار ہو کر میدان میں پہنچ گیا۔ مسلمانانِ ہند نے یورپ کی لڑائی میں اس قدر حصّہ نہیں لیا جتنا کہ شام و عراق کی لڑائی میں برطانیہ کی دیگر نو آبادیوں کی طرح خلیفہ اسلام کے مقابلہ میں لیا۔ یہ حقیقت

حال ہے کہ شام و درہ دانیال کی لڑائی میں جو فوجیں کام کرتی تھیں ان میں شریک غالب ہندی اور مسلمان تھے۔

سلطنت برطانیہ کا رویّہ ترکی حکومتِ خلافت کے ساتھ

تاریخ کے دیکھنے والے بیخبر نہیں کہ جسقدر ملک ترکی سلطنت کے برطانیہ نے لئے اتنے یورپ کے کسی سلطنت کے حصّہ میں نہیں آئے کہا جاسکتا ہے کہ بصرہ، بغداد، بیت المقدس، ثمرات و حاصلات جنگ ہیں لیکن ابتدا سے دیکھئے تو عدن، قبرس، مصر، کیا کسی اور اتحاد کی حاصلات میں شمار کئے جائینگے۔

(۱) دنیا کو معلوم ہے کہ اٹلی کے غدارانہ حملہ طرابلس کے وقت لارڈ کچنر نے مصر کی راہ سے ترکی فوجیں طرابلس ہوکر جانے سے انکار کر دیا تھا۔

(۲) اٹلی کے اُس اعلان کو جو طرابلس کو اٹلی کا ایک جز بنانے والا تھا سب سے پہلے برطانیہ عظمیٰ نے بخندہ پیشانی قبول و منظور کیا تھا۔

(۳) جزیرہ کریٹ سے جس جنگی جہاز نے سلطنت ترکی کا جھنڈا گرا کر یونان کا جھنڈا نصب کیا تھا۔ وہ ہمیشہ یاد رہنے والا اُس سلطنت برطانیہ کا جنگی جہاز تھا۔ جسکی دس کروڑ مسلمان رعایا اور میدان میں ساتھ دینے والی رعایا ہے۔

(۴) مسٹر اسکوئیتھ سابق وزیر اعظم برطانیہ کا پہلا اعلان دوران جنگ بلقان میں یہ تھا "خواہ نتیجۂ جنگ کچھ بھی ہو۔ مگر ملکی حدود میں تغیّر نہو گا"۔ اور پھر ترکی فوجوں کی پسپائی کے وقت یہ دوسرا اعلان ہوا "فاتح کو ثمرات فتح سے محروم نہیں کیا جاسکتا" ہمیں یاد ہے اور ہم خوب انکے معنی سمجھے ہیں

(۵) سر اڈورڈ گرے نے جو صلح نامہ سرپنچ کی حیثیت سے بعد جنگ بلقان لنڈن

میں بیٹھکر لکھا تھا۔ اُس کا حرف بحرف ذہن نشین ہے جسمیں یورپین ٹرکی اینوس میڈیا تک محدود کردی گئی تھی'۔ اس رویّہ سابقہ سے اگر قطع نظر کرلیجائے اور اسی جنگ کے ہنگامہ دوران پر نظر ڈالی جائے تو بھی صاف عیاں ہوا جاتا ہے کہ ترکی کے ساتھ کیا کہا گیا' اور کیا عمل میں لایا گیا۔ اور اعلانِ شرائطِ صلح میں مسلمانوں کے جذبات مذہبیہ کا لحاظ نہ ہوا اور خلیفہ اسلام کا کامل اقتدار نہ محفوظ رہا۔

برطانیہ کے دوران جنگ کے وعدے

مسٹر لائڈ جارج نے جو تقریر سرکاری طور پر کی تھی۔ اس کا قدرے اقتباس یہ ہے "اس وقت میں سامعین سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ نہ صرف گورنمنٹ کے خیالات ہیں۔ بلکہ وہ پوری قوم اور نہ صرف قوم بلکہ مجموعی حیثیت میں سلطنت برطانیہ کے خیالات ہیں"۔ آگے چلکر ان خیالات کا اظہار قابل ملاحظہ ہے۔

"ہم نے اس لئے ہتیار نہیں اُٹھائے ہیں کہ ترکی سے اُس کا دار الخلافت چھین لیں یا تھریس وایشیائے کوچک کے سرسبز و مشہور حصّوں کو جو بلحاظ قومیت ترکی عنصر سے معمور ہیں غصب کرلیں"۔

دنیا جانتی ہے کہ یہ وعدہ کسقدر صاف اور مضبوط ہے۔ مگر تھوڑے عرصہ میں عالم دیکھتا سُنتا ہے کہ وہی صدر اعظم برطانیہ اپنی شیفلڈ۔ و گلڈ ہال کی مشہور دل آزار تقریروں میں اس وعدہ کو کیسا پامال و حقیر کرتے نظر آتے ہیں۔

وزیر اعظم کی یہ روش دیکھکر یقین ہو جاتا ہے کہ کارکنان سلطنت کے وعدے محض دفع الوقتی کا مشغلہ ہوتے ہیں و بس۔ مسٹر لائڈ جارج کی اِن تقاریر کے بل پر لنڈن و پیرس کے متعصب اخبارات عجیب عجیب خیال آرائیاں کر تے

نظر آتے ہیں۔ کوئی اتحادی مدبّروں کو مشورہ دیتا ہے کہ جامعہ ایا صوفیہ گرجا بنا دیجائے کوئی سلطان کو قسطنطنیہ سے نکلوا دینے کا منصوبہ باندھتا ہے۔ غرضکہ وزیر اعظم کے شیفلڈ و گلڈ ھال میں بکھیرے ہوئے تخم تعصّب کی بالیاں خوب لہرائیں۔ جب وزیر اعظم کے صاف صریح وعدوں کا یہ حال ہو تو لارڈ ہارڈنگ کا شروع میں یہ اطمینان دلانا کہ "اس لڑائی کا اثر مقامات مقدسہ پر نہ پڑے گا" کیا وقعت رکھ سکتا ہے۔ کیا لارڈ ہارڈنگ بہادر سے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ مقامات مقدسہ قبضۂ مسلم میں ہیں یا غیر مسلم میں۔ کہا جا سکتا ہے کہ مکہ، مدینہ مسلم قبضہ میں ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ قبضہ دار مسلم بھی اپنے قبضہ میں ہے یا غیر مسلم ہاتھوں کی کٹھ پتلی۔ اِس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ شریف مکّہ کا قبضہ و سیادت ایک پردہ ہے مقامات مقدسہ پر جنگ کا زہریلا اثر پڑ چکا ہے بلکہ چھایا ہوا ہے۔ علاوہ حرمین کے بیت المقدس، نجف اشرف، کربلا، بغداد بھی مسلمانوں کے نزدیک مقامات مقدسہ ہیں انپر جو کچھ اثر محیط ہے محتاج بیان نہیں۔ کیا آغاز و دوران جنگ کی یہ آوازیں محیط فضا کی ہر ذی سماعت ہستی کے کانوں میں نہیں گونج رہی ہیں اور کیا ذمہ داران سلطنت و عمائد مملکت کی یہ وقیع صدائیں تھیں۔

(۱) یہ لڑائی انصاف و حق کی حمایت کے لئے ہے۔

(۲) یہ لڑائی چھوٹی قوموں کو آزادی دلانے کے لئے ہے۔

(۳) یہ لڑائی مذہبی نہیں لہذا تمام قوموں میں بغیر لحاظ مذہب و قومیت مساوی طور پر اصول عدل جاری کئے جائینگے۔

(۴) اس لڑائی میں کسی قوم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

(۵) اس لڑائی سے ملک گیری مقصود نہیں۔

(۶) اس لڑائی میں مفتوح و مغلوب اقوام کے واقعی حقوق کا لحاظ رکھا جائے گا۔
دنیا حیرت میں ہے کہ کسقدر جلد وزرائے دولت برطانیہ نے اپنے وعدوں کو فراموش
کیا اور تقسیم ترکی کی اُس دیرینہ تجویز کو جو گلیڈسٹون کے متعصب دماغ کا خاکہ ہے
عملدرآمد شروع کر کے انصاف و حق کی حمایت کرنے اور ظلم نکرنے کا کتنا بہتر ثبوت
دیا کہ شام، فرانس کو۔ سمرنا یونان کو۔ عراق عرب، انگلستان کو
دیدیا۔ کیا ایسی صریح وعدہ خلافیوں کے بعد بھی وزرائے سلطنت اُمید رکھ سکتے
ہیں کہ ایشیائی قوموں میں جن کے یہاں ضرب المثل ہے "جان جائے پر بات
نہ جائے" اِن کا اعتبار ہو سکتا ہے اور اُن کے کسی قول و فعل پر اعتماد کیا جا سکتا
ہے اور یہ رویّہ انگلستان کی گورنمنٹ کا وقار برباد نہیں کر ڈالتا۔ پریسیڈنٹ
ولسن کے چودہ اصول جو عالمگیر جنگ کو روک دینے میں آواز حق کہے جاتے
تھے اور جنکو وقفہ جنگ کے مبادیات سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ جنکے محیط جو میں گونجنے
کے ساتھ ہی ترکی اور اُسکے حلیفوں نے ہتیار کھولدئے تھے۔ جن میں ایک دفعہ
خصوصیت سے ترکی کے متعلق یہ تھی۔

"ترکی کے اصلی علاقوں پر ترکی کا اقتدار قائم رہے گا اور اُن حصص ممالک کو جو ترکی
کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ترکی کے زیر نگرانی اندرونی آزادی دلائی جائیگی"۔

آج عالم مشاہدہ کر رہا ہے کہ شام کی قومی مجلس کی رپورٹ اسکے سامنے ہے۔
زمانہ عربوں کا انکار بھی سن رہا ہے جو فرانس کی تسلیم سیادت پر بلند ہے جہان
جانتا ہے کہ شام کی آبادی کا مطالبہ خود اختیاری ہے مگر پریسیڈنٹ ولسن کے

پیش کردہ موضوع عدل کے معنی سوا اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتے۔
"جو کہو اسکے خلاف عمل کرو" اور جس طرح ہوسکے ترکی کے ممالک اسلامیہ غصب کر لو

شرم! شرم!! شرم!!!

ترکی کے ساتھ التوائے جنگ کا رویّہ

التوائے جنگ کے دوران میں جو سلوک ترکی کے ساتھ کیا گیا ہے کسی حریف و مقابل سلطنت کے ساتھ نہیں کیا گیا۔

(۱) فخری پاشا خادم (گورنر) مدینہ منورہ کو مجبور کیا جاتا ہے کہ ہتیار ڈالدو ورنہ درہ دانیال مسمار کر دیا جائیگا۔ خلیفہ اسلام کی عزّت خدمت سے نکالکر یہ شہر مقدّس التوائے جنگ کے دوران میں ایک کمزور فطرت باغی کو دیدیا جاتا ہے

(۲) وقفہ جنگ میں دوسرے حریفوں کے پایہ تخت فوجی قبضہ سے محفوظ رہتے ہیں مگر امیر المومنین کے پایۂ تخت پر التوائے جنگ میں اتحادیوں کا فوجی قبضہ ریلوے اور ساحل وغیرہ پر ہوجاتا ہے (بلکہ خود دوہ مستقر خلافت جسکے حوالی و متعلقات تک نہ لینے کا وعدہ تھا مستقلاً غصب کر لیا جاتا ہے اور قریب میں آنے والی خبروں اور دلخراش دل آزار دہ اطلاعوں سے جو ام پھیلایا جارہا ہے اس کا تو تصور ہر مسلمان کے لئے موت کا صدمہ ہے)

(۳) یونان جیسی بزدل قوم کو زمانۂ التوائے جنگ میں سمرنا میں فوجیں اتارنے اور وہاں کے بے ہتیار مسلمانوں پر شرمناک مظالم ڈھانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ مسلمانانِ عالم اور خود حضرت خلیفۃ المسلمین جب یونانی مظالم دول اتحاد کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہی وزارتیں جو باغی

آرمینیا کی فرضی داستانیں سُنکر ایک زمانہ کو اپنی انسانی ہمدردی کی چیخ پکار سے پریشان کئے ہوئے تھیں اب بالکل بے زبان ہو جاتی ہیں۔ نہ اس وقت ہمدردی انسان کا درس یاد آتا ہے نہ اپنے دلفریب وعدے اور پا فریب دعوے

کیا یہ امر کمال حیرت و استعجاب کا نہیں کہ برلن، وائنا، صوفیا، کے فیصلہ اور حکم برداری کے لئے مدبّریں اتحاد خود کو پیش نہیں کرتے مگر بیچارہ مسلم ترکی اور قسطنطنیہ کی حکم برادری کے لئے آپس میں قرعہ اندازی کرتے نظر آتے ہیں۔

انصاف شرط ہے کیا پریسیڈنٹ ولسن کے اصول عدل یہی ہیں کیا وزرائے حکومت کے منصفانہ وعدے یہی ہیں۔ کیا سابق اطمینان وتسلی کا قول یہی معنی و مراد رکھتا تھا۔ کیا ان تمام معنی خیزیوں کی پردہ بر اندازی اور اصلی جذبات تعصّب کی رہنمائی اور صرف ترکی کے ساتھ سب سے جدا روش اختیار کرنے پر

وزیر اعظم برطانیہ کا مذہبی جذبہ۔ گواہ نہیں؟

مسلمان ہند سے بار بار کہا جاتا تھا۔ کہ یہ لڑائی مذہبی نہیں۔ مگر وزیر اعظم برطانیہ جنرل ایلنبائی، کے سینہ پر تمغہ لگاتے وقت اس لڑائی کو کروسیڈ صلیبی جنگ کے نام سے یاد کر کے تمام سابق ذمہ داران سلطنت بلکہ خود سلطنت کے اقوال کی عظمت و شان کو خاک میں ملا کر اس خیال کی تصدیق کرتے نظر آتے ہیں۔ کہ متعصب۔ عیسائی ابھی تک مذہبی جنگ کے ولولوں کو خیر باد کہنے کے لئے تیار نہیں۔

انتہائی غور کا مقام ہے۔ انگلستان ہی نے متعلق اماکن مقدسہ و خلافت

و مستقر خلافت، و قیع و قیع وعدے آغاز و دوران جنگ میں کئے اور انگلستان
ہی اب عذر کر رہا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ "کہ ترکوں کو عیسائیوں پر حکومت کرنے کا حق
نہیں" لہٰذا ترکی مقبوضات و ممالک بلکہ خاص مستقر خلافت چھین لیا جائے"۔ مگر
اتنا غور نہیں کیا جاتا کہ جب ترکوں کو عیسائیوں پر حکومت کا حق نہیں تو عیسائیوں
کو مسلمانوں اور ترکوں پر حکومت کا حق کس قانونِ ظلم سے حاصل ہے چند عیسائیوں
کا یہ خیال و لحاظ تو حمایت عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ مگر جب یہ سوال ہو کہ شام
میں کیا مسلمانوں سے زائد کسی دوسری قوم کی آبادی ہے کیا عرب میں سوا اہلِ اسلام
کے کوئی اور بھی رہتا ہے۔ کیا ایشیائے کوچک میں زیادہ بستی مسلمانوں کی نہیں۔
کیا قسطنطنیہ اور تھریس میں عیسائی مسلمانوں سے زائد ہیں۔ کیا عراق میں کوئی
قبیلہ عیسائی خاندان کا بسا ہوا ہے۔ اور جب یہ نہیں تو کس عدل و انصاف کی
رائے ہے کہ وہاں عیسائی حکومت کریں اور ترک نکالدئے جائیں۔ ہاں اس کا
جواب عمل اتحادیہ دیتا ہے کہ اصول عدل و انصاف کے معنی فقط یہ ہیں کہ اسلام
اور مسلمانوں کو ہر طرح ستاؤ مٹاؤ۔ اور اس کو ایسی صورت میں جلوہ دو
کہ قسطنطنیہ پر اتحادی قبضہ ہو جائے اور یہ ظلم و جبر کی مثال دنیا میں ایک غارت گر
بنکر رہے۔ اسکے لئے بڑھتے ارمان، مسلم آزاری اور قدیم تجاویز ترک کشی کا یہ
عملدرآمد شروع ہو کہ مستقر خلافت چند گز زمین پر شامل ہو اور خلیفہ اسلام
دونوں بحری پھاٹکوں باسفورس اور درہ دانیال کے درمیان میں اتحادیوں
کی مجموعی سیادت کے حصار میں مجبوس ہونے والی شخصیت کا لقب ہو۔ یورپین
ترکی کا قدیم پھریرا گاد، ادرنہ، صلیب کا مرکز ہے اور چھ سو برس سے چھتیس

مسلم تاجداروں کی جو مسلّمہ متفقہ خلافت و سلطنت مذہبی و دینی رہی ہو۔ اُس کا تمام اقتدار و وقار سلب ہو جائے اور یہ اس لئے نہیں کہ جنگ میں سب سے بڑا مجرم ترک ثابت ہوا یا حربی ذمہ داریوں کا متحمل تنہا ترک تھا۔ بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ ترک مسلمان تھا۔ پرستار توحید تھا۔ حق کا امانت دار تھا۔ نبوّت و رسالت کی دولت کا وارث تھا۔ لہذا مادّیت عیسائیت اور روحانیت اسلام سے مقابلہ ہے۔ حق و باطل کا معرکہ ہے۔ ایمان و بے ایمانی کا میدان ہے ایسے وقت اصول و آئین قول و قرار سوا ابلیسی اور دغابازی کے کوئی دوسرا مفہوم اگر دکھائیں تو عیسائیوں کے ممتاز فریب اور امتیازی حریت کے خلاف ہوگا۔ دنیا کا عدل و انصاف رویا کرے عالم کا رحم و قانون انسانیت سر پٹکا کرے مگر تعصب مذہبی اور قدیمی عناد کب کسی کی سنتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان ہزاروں بار تار دے دیکر وفد بھیج بھیجکر مجالس میں متفقہ آوازوں سے تحریروں میں انفرادی کوششوں سے مطالبات واقعیہ کریں۔ وعدے یاد دلائیں، اپنے حقوق جتائیں۔ مگر ایک ادائے سکوت، سب کا جواب ہے، ہندو مسلم تئیس کروڑ کی تعداد میں اتفاقی سعی کے قدم بڑھائیں، اور ایوان ہائے وزارت و حکومت تک اپنی صحیح و پُر زور صدائیں پُہنچائیں مگر سب بیکار مسئلہ خلافت ملکی بحث کی صورت بھی لیکر رونما ہوا اور مذہبی مسئلہ بنکر بھی ظاہر ہو۔ مگر کسی طرف التفات نہو۔ اور کچھ نہ سنا جائے بلکہ تغلب کے قدم بڑھتے رہیں اور غصب کے ہاتھ دراز ہوتے جائیں۔

ایسی حالت میں ہر عقلمند سے ہمارا سوال ہے کہ ہمکو بتایا جائے کہ اب ہم کیا کریں اور یہ رویّہ جو منجانب حکومت اختیار کیا گیا ہے۔ خطرناک نتائج کا مقدمہ ہے یا نہیں

اور حسب بیان البیٹی ژورنال مشہور فرانسیسی اخبار "دنیا کا امن و امان ترکی حکومت کی بقا پر موقوف ہے۔ دولِ اتحاد اور ہندوستان کے ہندو مسلم کے لئے برٹش گورنمنٹ کا یہ طرز امن و امان کا برباد کر دینے والا ہے یا نہیں۔ ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں جس سے ہم اُس درد و کرب کی ترجمانی و اظہار کر سکیں جو مستقر خلافت و دیگر ممالک اسلامیہ پر غیر مسلم غاصبانہ قبضہ سے ہمکو پہنچا ہے اور ہم بالکل اس بیان سے قاصر ہیں کہ یہ درد و کرب کی خراشیں کیا رنگ لائینگی اور ہمیں یقین ہے۔ کہ اگر اب بھی ترکی کے ساتھ منصفانہ معاملہ نہ کیا گیا اور قسطنطنیہ و دیگر ممالک اسلامی سے غیر مسلم قبضہ نہ اُٹھایا گیا تو صلیب و ہلال کی خونچکاں آویزش جس نے صدیوں تک دنیا میں خون کی ندیاں بہائی ہیں پھر شروع ہو جائیگی اور امن عالم کا ستون مرکز ثقل سے ہٹ جائیگا اور یہ سب ذمہ داری و شر افزائی عموماً اتحادیوں اور خصوصاً وزرائے برطانیہ پر عائد ہوگی۔ مسلمانان ہند کو اس وقت کمال صبر و استقلال سے کام لینا چاہئے اور خود کو سچا دیندار مسلمان بنا کر احکام مذہب کی تعمیل و تسلیم کے لئے ہر قربانی و فدویہ سے مستعد ہو جانا چاہئے۔ تیرہ صدیوں میں ایسا سخت وقت اہل اسلام پر کبھی نہیں آیا کیونکہ مسلمان ایسے کبھی ضعیف نہ تھے جیسے اس دور میں ہیں۔ لہذا اس دور میں اُن کا ابتلا و قلق بھی تمام سابقہ مصائب سے اشد ہے۔ یقین کرو کہ حجاج، و یزید، کے مظالم سے زائد یہ وقت پُر فتن ہے۔ لہذا صبر امام حسین و مجاہدہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے استعانت اور اُنکی پیروی استقامت و استقلال کی حاجت ہے۔ پھر ہر مشکل آسان ہے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

مسلمانوں کو یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ اگر خلافت کے ساتھ شرائط صلح میں ترمیم نہوئی اور خلیفہ اسلام کا جائز و صحیح دینی و دنیاوی اقتدار برقرار نہ رکھا گیا، اگر جزیرۃ العرب اور دیگر بلاد اسلامیہ پر خود مختار ترکی قبضہ نرہا تو حسب فیصلہ مجلس علمائے صوبہ متحدہ مذہبی آزادی کا اعلان مسلمانوں کو کرنا پڑیگا۔ اور اُس وقت وزرائے برطانیہ اور ضدی و متعصب اتحادیوں کو معلوم ہوگا کہ وہ جسقدر تعدیاں ستم آرائیاں ناانصافیاں حکومت خلافت کے ساتھ کرتے تھے وہ مواد شغل بہ افعی و لہو بہ آتش تھا۔ اور حکومت برطانیہ کے ساتھ دشمنی پر مبنی تھا جس کی ایک مثال ترک اتحاد عمل کی تحریک ہے جو ارباب سیاست کی زیر نگرانی جاری ہورہی ہے اور مایوسانہ حالت میں اب تک کوئی اطمینان و تسلی کا جواب نہ پاکر اعلان آزادی کا گویا یہ پہلا قدم ہے جو متحرک ہونا چاہتا ہے ممکن ہے اُسکی بعض دفعات شکل ناقابل عمل معلوم ہوں مگر اصولی نظر کو ان فرعیات سے سروکار نہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس تحریک کے صرف اعلان ہی سے اگرچہ کسی ایک دفعہ پر بھی عمل نہو نظام دبدبہ حکومت کا نقصان ہے یا نہیں۔ اور ہے۔ تو اس کا الزام کس پر کیا بیکس و مجبور اہل ہند اسمیں مورد عتاب ہو سکتے ہیں جو ہر آئینی جدّ و جہد ہر بالالحاح سعی۔ ہر طریقہ سے افہام و تفہیم بذریعہ تحریر تقریر یا ارسال وفود۔ وائسرائے سے لیکر وزیر ہند و وزیر اعظم تک عمل میں لاچکے مگر کچھ نتیجہ مترتب نہوا اور ترکی خلافت اسلامیہ کے متعلق ایسا اطمینان نہ دلایا جاسکا جسکو مسلمانانِ عالم واہل اسلام ہند مذہبی حقوق کے ضمن میں حاصل کرنا چاہتے تھے اور اہل ہنود عدل و انصاف کے لئے اُس کا ہونا لازمی سمجھتے اور کہتے تھے۔ جب واقعات کا سلسلہ یہانتک پہنچ چکا ہو اور ہمارے داعیات مذہبیہ و مطالبات واقعیہ نذر ادائے تغافل و پائمالی کئے جاتے ہوں جس کا نقصان صرف مال یا جان تک ہی پہنچکر نہیں ختم ہو جاتا بلکہ

مذہبی و قومی حیاتِ عزّت و مماتِ ذلّت کا مبحث بنا جاتا ہے اور وقار و آئین احکام مذہب و شعائرِ دین کو زخمی کرتا ہے اور ہمارے حدود شرعیہ کی بنیاد کو ڈھائے دیتا ہے پس ایسی صورت میں ہمکو ہر عقلمند منصف مزاج واقف عزّتِ مذہب احکام مذہب سے سوال کرنا ہے کہ وہ بتائے کہ ہم کیا کریں اور جو کچھ کر رہے ہیں کم سے کم یہی کرنا چاہئے تھا یا نہیں۔ اگر ہم اُن شرائط صلحیہ پر سکوت و تسلیم عمل میں لاتے ہیں جو سراسر جذبات و احکام مذہب کے خلاف ہیں تو ہم خدا کے گناہگار ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ سے کہتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں کہ کوئی طور، طریقہ، طرزِ کہنے اور سمجھانے کا اُٹھا نہیں رکھتے تو وہ نہیں سُنتی اور بجائے اصلاح و اطمینان ہمارے مقررین و علما مشائخ و سادات ارباب عزّت و فضل کو قید کرتی ہے اُن کو نظربندی و قانونی گرفت میں لائے جانے کی دھمکیاں دیتی ہے ایسی صورت میں کیا غیرتمند قلب سے ہو سکتا ہے اور اس تباعد و تباغض کے ساتھ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم حکومت کے ساتھ ملکر کام کر سکیں ارکانِ حکومت تدبّر کریں کہ اُن کے تلخ و ناگوار اطوارِ عمل نے اس دروازہ کو خود بند کر دیا اب شکایت اہل ہند سے فضول ہے۔ ہر وہ شخص جسکو قدرت سے معاملہ فہم دماغ ملا ہے سمجھ سکتا ہے کہ حکومت و رعایا کے تعلقات نظام اجتماع نوعی کا ایک ایسا مرتبہ ہیں جسمیں طرفین سے نگہداشت و مراعات ہوتی ہے۔ رعایا بادشاہ و حکومت کے قوانین پر عملدرآمد کے لئے اُسی نظام اجتماعی کے سبب مامور ہوتی ہے اور بادشاہ و حکومت کا یہ ذمہ دارانہ فرض ہوتا ہے کہ رعایا کی پاسداری جذبات و مذہبیات سے غافل نہوں۔ اِسی طرفین کے مراعات کو فلسفۂ سیاست حکمرانی معاہدہ کی صورت دیکر اجرائے کارِ امورِ مملکت کا نظام اجتماع نوعی کے ساتھ مددگار ہوتا ہے۔

زمانہ کمپنی ایسٹ انڈیا بہادر سے یہ معاہدہ حکومت برطانیہ و مسلمانانِ ہند میں بھی
اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ کبھی مسلمانوں نے اس کا نقض کیا ہو مگر جب مذہبیات
میں دخل انداز ہو کر اور جذبات قومیہ میں دست درازی کر کے مثل واقعۂ ہائلہ مظالم
پنجاب جسکی تفصیل پڑھی جا چکی اور مثل مداخلت تحریک مسئلہ خلافت و اماکن
مقدسہ و جزیرۃ العرب، خود حکومت کے ارباب بست و کشاد کی طرف سے نقض معاہدہ
و ہتک قرار داد عمل میں آگیا تو پھر ترک اتحاد عمل یا اعلان آزادی مذہبی کا الزام
اہلِ ہند پر کیونکر کیا جا سکتا ہے کاشکے بجائے بگڑنے، چڑنے، نخوت دیندار، و تعصب سے
کام لینے کے ذمہ دارانِ حکومت اس نکتہ جلیلہ کو تدبر کرتے اور نائب السلطنت
والسرائے ہند تو اگر صحیح واخلاقی و سیاسی جرأت سے کام لیتے تو وہی عمل رونما
کرتے جو ترک اتحاد عمل کی اُس آخری اطلاع میں لکھا گیا ہے جسپر ہند کے اکثر عمائد
و اکابر مذہب قوم و ملک کے دستخط ثبت ہیں یعنی وایسرائے بہادر کا یہ اعلان ہونا
چاہیئے تھا اور وزارت ہند و وزارت عظمیٰ کو یہ تحدی و اطلاع دینی چاہیئے تھی کہ اگر
واقعات مظالم پنجاب، اگر مسئلہ خلافت میں مسلمانانِ عالم اور بالخصوص اہلِ ہنود
اہل اسلام ہند کو گورنمنٹ مطمئن نہیں کر سکتی تو میں اپنے عہدہ سے مستعفی ہوتا ہوں
اور اپنے عہد میں ترک اتحاد عمل اور ہند سے مغموم اہل اسلام کی ہجرت، اور عام
بےچینی و قلق کے وہ مناظر نہیں دیکھ سکتا جو تاریخی طور پر ہمیشہ کے لئے اس دور
کی سیاست کو مطعون کر دینگے۔ کیا نظم حکومت کے لئے یہ امر باعثِ تضحیک
نہیں کہ مسلسل لاپروائیوں نے رعایا کے قلوب کو اس درجہ کبیدہ و مجروح کر دیا
کہ اُن میں سے گروہ در گروہ اپنے پیارے اور عزیز وطن کو چھوڑ کر کابل وغیرہ

کی طرف ہجرت کررہے ہیں اور اصحاب حمیّت و درد واپسی خطابات و ترک اعزاز پر عامل ہو رہے ہیں اس قلیل عرصہ میں ذیل کی تعداد ترک اعزاز و واپسی خطابات کرنیوالونکی کچھ کم نہیں

نمبر	اسماء	عہدہ واپس کردہ	مقام
۱	سید حاجی محمد شاہ صاحب	آنریری مجسٹریٹی واپس کیا	ٹمیاری سندھ
۲	اخوند نور محمد صاحب	″ ″	″ ″
۳	میاں شاہ علی جان صاحب	″ ″	ناملی ″
۴	میاں غلام محمد صاحب	″ ″	″ ″
۵	میاں امین الدین صاحب	″ ″	حیدرآباد ″
۶	مسٹر محمد اسمعیل خاں صاحب بیرسٹر خلف حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب	″ ″	جہانگیر آباد ضلع بلند شہر
۷	سیٹھ میاں محمد جان چھٹانی صاحب	جسٹس آف دی پیس ″	بمبئی
۸	انیس احمد صاحب	آنریری مجسٹریٹی میونسپل کمشنری ″	لاہر پور ضلع سیتاپور
۹	سید امیر احمد صاحب	″ ″	″ ″
۱۰	مولوی حضور احمد صاحب	آنریری جج مجسٹریٹی ″	خیرآباد ″
۱۱	سید حسن امام صاحب	آنریری مجسٹریٹی ″	گیا
۱۲	ضمیر الدین صاحب	″ ″	″
۱۳	محمد عبدالرشید خاں صاحب	″ ″	نواکھالی
۱۴	مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب	خطاب حاذق الملک و تمغہ قیصر ہند ″	دہلی
۱۵	مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد	خطاب شمس العلماء ″	″
۱۶	آنریبل سید آل نبی صاحب	خطاب خان بہادری ″	آگرہ
۱۷	مولانا شاہ بدرالدین صاحب سجادہ نشین	خطاب شمس العلماء ″	پھلواری
۱۸	مہاتما گاندھی جی	تمغہ قیصر ہند و تمغہ جنگ بوبر زولو ″	
۱۹	چودھرانی سرلا دیوی	خطاب بروج بھرتی کے صلہ کا ″	لاہور
۲۰	مسٹر ابوالقاسم صاحب	لیجیسلیٹو کونسل بنگال ″	بنگال
۲۱	مولانا نورالحسن صاحب	″ بہار کی مجسٹریٹی و سکریٹری کمیٹی کی ممبری ″	گیا
۲۲	محمد عبدالرشید خاں صاحب	خطاب خان صاحب ″	نواکھالی

نمبر	اسماء	عہدہ واپس کیا	مقام
۲۳	مسٹر شریف دیوجی کانجی	مجلس قوانین بمبئی سے ترک کردیا	بمبئی
۲۴	حافظ احمد الدین صاحب امام مسجد	کرسی نشینی سے 〃	سرگودہ
۲۵	شیر محمد خاں صاحب	اعزازات پنسن وغیرہ 〃	سندھ
۲۶	مسٹر آصف علی صاحب	بیرسٹری 〃	دہلی
۲۷	آغا محمد صفدر صاحب	وکالت 〃	سیالکوٹ
۲۸	مرزا عبد اللطیف بیگ صاحب	وائس چیرمین میونسپل بورڈ و وکالت	دھام پور ضلع بجنور
۲۹	سید حسن امام صاحب	سندات اعزازات واپس کئے	گیا
۳۰	پیر آغا غلام مجدد صاحب	کرسی نشینی کو ترک کردیا	سرہندی (حال ٹمیاری سندھ)
۳۱	میاں اللہ بخش صاحب	〃 〃	ٹمیاری سندھ
۳۲	سید میاں علی اصغر صاحب	〃 〃	نکھٹر 〃
۳۳	سید فضل علی شاہ صاحب	〃 〃	ٹمیاری 〃
۳۴	سید محمد نعیم شاہ صاحب	〃 〃	〃 〃
۳۵	اخوند علی شاہ صاحب	〃 〃	〃 〃
۳۶	سید مولیڈنہ صاحب	〃 〃	〃 〃
۳۷	جان محمد صاحب بن شیخ مہر علی صاحب	〃 〃	ہوشیارپور
۳۸	یعقوب حسن صاحب	کونسل کی ممبری اور استقبالیہ کمیٹی ولیعہدی کی ممبری ترک کردی وغیرہ	مدراس
۳۹	بابو کرشن پرکاش سین سہنا	اعزازی سند واپس کردی	گیا
۴۰	اللہ بخش صاحب ڈھاڑ زمیندار	کرسی نشینی کو ترک کردیا	حیدرآباد سندھ
۴۱	محمد پناہ شاہ خاں صاحب	〃 〃	〃
۴۲	سید میاں زین العابدین صاحب	〃 〃	〃
۴۳	آغا محمد علی خاں صاحب سرہندی زمیندار	〃 〃	نکھٹر سندھ
۴۴	سموخاں کاہیوخاں صاحب زمیندار	〃 〃	عمرکوٹ سندھ
۴۵	میاں جلال شاہ صاحب زمیندار	〃 〃	〃

نمبر	اسماء	عہدہ واپس کردہ	مقام
۴۶	میاں محمد ہاشم صاحب زمیندار	ممبری وسندات واپس کئے	عمرکوٹ سندھ
۴۷	سید اسحق شاہ صاحب	" "	سامارہ
۴۸	پیر سید علی انور شاہ صاحب	ممبری ترک کردی	لاڑکانہ
۴۹	سید جان محمد صاحب رئیس	کرسی نشینی وممبری سندھ رجسٹری	"
۵۰	سردار محمد حیات خاں صاحب زمیندار	درباری کرسی کو ترک کردیا	"
۵۱	رئیس میر محمد صاحب	درباری ممبری "	ماٹ سندھ
۵۲	میاں احسان علی صاحب	" "	"
۵۳	میاں محمد وارث صاحب	" "	"
۵۴	مسٹر سلیمان صاحب جمعدار محکمہ انجنیرنگ	ملازمت ترک کردی	سندھ
۵۵	مسٹر عباد اللہ خاں صاحب ہیڈ کانسٹبل	" " "	"
۵۶	لعل بخش صاحب ہیڈ کانسٹبل	" "	"
۵۷	ڈاکٹر عبد السبحان صاحب	ڈاکٹری واپس کی	گھوسی ضلع اعظم گڑھ
۵۸	منشی عبد الواحد صاحب پیشکار	پیشکاری واپس کی	"
۵۹	محمد یوسف خاں کانسٹبل	ریلوے پولیس (ملازم ۴۲ سال ۳۲)	لاہور
۶۰	فیض الرحمن صاحب ڈال انسپکٹر	انسپکٹر پولیس	"
۶۱	اُستاد یوسف خاں صاحب "	"	"
۶۲	کرم شاہ صاحب ہیڈ کانسٹبل	پولیس	"
۶۳	علی محمد صاحب کانسٹبل	"	"
۶۴	سراج الدین صاحب	"	"
۶۵	مشتاق احمد صاحب مدرس اردو اسکول	اُردو اسکول بمبئی سے	بمبئی
۶۶	سید احمد ادریس صاحب	انسپکٹر محکمہ آبکاری	سورت
۶۷	سید محمد ہادی صاحب	ریلوے ملازمت	جھانسی
۶۸	سید اکبر شاہ صاحب	سکنڈ ماسٹری	پشاور
۶۹	نور محمد صاحب ہیڈ کانسٹبل	پولیس دہلی نمبر ۹۱۷	دہلی

نمبر	اسماء	عہدہ واپس کردہ	مقام
۷۰	محمد خاں صاحب	ہیڈ ماسٹری	اکوڑہ ضلع پشاور
۷۱	منیر حسین صاحب مدرس	ملازمت ترک کردی	مدرسہ بہلولہ 〃
۷۲	مولوی غلام جیلانی صاحب مدرس	〃	مدرسہ تحصیل صوابی 〃
۷۳	امیر محمد خاں صاحب نائب مدرس ہندا	〃	〃 〃
۷۴	حمید اللہ صاحب جے وی ہیڈ ٹیچر	〃	گنج گھٹ 〃
۷۵	عبدالشکور کانسٹبل پولیس	〃	کوتوالی لاہور
۷۶	نواب الدین صاحب 〃	〃	〃
۷۷	عبدالمالک صاحب 〃	〃	〃
۷۸	برکت علی صاحب 〃	〃	〃
۷۹	اسمٰعیل صاحب 〃	〃	〃
۸۰	خیرالدین صاحب 〃	〃	〃
۸۱	نیاز حسین صاحب 〃	〃	〃
۸۲	افضل حق صاحب سب انسپکٹر	〃	گڑھ شنکر
۸۳	عبدالحق صاحب	〃	〃
۸۴	مرزا سلطان علی صاحب پولیس سی آئی ڈی	〃	دہلی
۸۵	رحیم گل صاحب مدرس مڈل اسکول	〃	چارسدہ ضلع پشاور
۸۶	داؤد محمد صاحب کانسٹبل پولیس	〃	〃 〃
۸۷	منشی کریم بخش صاحب	〃	〃 〃
۸۸	سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب انسپکٹر پولیس سی آئی ڈی	〃	[illegible]
۸۹	سید گل یار صاحب کلرک	ملازمت [illegible] کی ترک کی	پشاور
۹۰	عبدالکریم صاحب کلرک	ملازمت ترک کردی	شاہی باغ پشاور
۹۱	عبداللہ خاں صاحب جمعدار	[illegible] ملازمت ترک کردی	[illegible] ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۹۲	[illegible] صاحب ڈسپنسر فوجی ہسپتال	ملازمت ترک کردی	بنوں
۹۳	گوکل پرشاد صاحب 〃	〃	ڈیرہ اسمٰعیل خاں

نمبر	اسماء	عہدہ واپس کردہ	مقام
۹۴	اشتیاق رضا صاحب	ملازمت ترک کردی	ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۹۵	فتح محمد خاں صاحب	"	انبالہ
۹۶	احمد شاہ صاحب	"	گجرات
۹۷	قادر صاحب	"	گرداسپور
۹۸	نواب الدین صاحب	"	شملہ
۹۹	سکندر شاہ خاں صاحب ہیڈ کانسٹبل	"	پشاور
۱۰۰	عبد الحلیم صاحب	پنشن سے استعفاء دیا	جسولی ضلع بارہ بنکی
۱۰۱	مسٹر شیر محمد خاں صاحب انسپکٹر پولیس	ملازمت ترک کردی	چکراتوہ پکرادنہ سندہ
۱۰۲	مسٹر خداداد خاں صاحب "	"	سندہ

اس وقت تک مختلف اخبارات وجرائد سے اس قدر انتخاب واقتباس دستیاب ہوا جو ہمارے مدعا کے لئے کافی ہے اور یہ ظاہر کردینے کے واسطے کہ تحریک عدم تعاون عمل کا قدم بڑھا رہی ہے اور ہند کی رعایا سخت غم اندوہ کے عالم میں ہے۔ ہم اس قدر انتخاب کو بھی مناسب سمجھتے ہیں) اور ایک بار پھر کہتے ہیں کہ مسئلہ خلافت ومظالم پنجاب کا حسب جذبات اہل اسلام واہل ہند فیصلہ ہونا چاہیئے ورنہ سخت بےچینی اور شدید تصادم حکومت سے حادث ہونے کا قوی خطرہ ہے۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ مالک الملک احکم الحاکمین مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے اور دشمنان اسلام واعدائے اہل اسلام کو توفیق دے کہ وہ تنگ خیالی اور ستم آرائی سے باز رہیں۔ کلمۃ الحق بلند ہو۔ اور اسلام کی سطوت دوچند خلیفۃ المسلمین کا اقتدار قائم رہے اور خلافت عظمیٰ برقرار۔ آمین آمین آمین فقط

فقیر عبد الماجد قادری بدایونی